بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عظمت ناموس صحابہ

تالیف

سید محمد حسین زیدی برسی

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام

نزد مین ڈاکخانہ لاہوری گیٹ چنیوٹ

نام کتاب	عظمت ناموس صحابہ
نام مؤلف	سید محمد حسین زیدی برستی
ناشر	ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ
کمپوزنگ	**کمپیوٹر** کمپوزنگ سنٹر چنیوٹ
تعداد	ایک ہزار
مطبع	معراج دین پرنٹنگ پریس لاہور
طبع	اول

اظہار تشکر

اس کتاب کی طباعت میں برادر عزیز سید محمد نقی زیدی مرحوم کی دختر نیک اختر سیدہ تسنیم فاطمہ زیدی نے اپنی والدہ محترمہ سیدہ ارتضائی بیگم مرحومہ اور اپنے برادر عزیز سید محمد مہدی زیدی مرحوم سول جج درجہ اول و مجسٹریٹ دفعہ 30 لاہور اور اپنے والد بزرگوار سید محمد نقی زیدی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے تعاون کیا ہے خداوند تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور مرحومین کی مغفرت فرما کر ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

(آمین ثمہ آمین)

احقر

سید محمد زیدی زیدی برستی

پیش لفظ

عظمت ناموس رسالت کی تصنیف کے بعد عظمت ناموس صحابہ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا لیکن اس میں ایک مسئلہ درپیش تھا وہ یہ کہ ناموس کے معنی ہیں شرف، عفت اور نصرت۔ اور ناموس اکبر جبرئیل کا لقب ہے۔ اور صحابہ سب کے سب ایسے نہ تھے لہذا مجھ سے بعض احباب نے سوال کیا کہ آپ یہ کیسے لکھیں گے۔ میں نے عرض کی کہ بیشک سب کے سب انبیاء ورسل اور ہادیان دین معصوم تھے اور یقیناً سب کے سب اصحاب معصوم نہ تھے۔ مگر قرآن یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ اصحاب ایسے بھی تھے جن کا خدا نے اصطفےٰ کیا ہے جن کو خدا نے اختیار کیا ہے جن کا خدا نے اجتبےٰ کیا ہے اور جن کو خدا نے لیذھب عنکم الرجس کیا ہے اور یطہرکم تطہیرا کہا ہے اور نام لے کر ان کو اہل البیتؑ کے طور پر نمایاں کیا ہے پس اصحاب پیغمبرؐ میں سب طرح کے اصحاب تھے وہ اصحاب بھی تھے جو یقینی طور پر معصوم تھے اور وہ اصحاب بھی تھے جنہیں کوئی بھی مسلمان معصوم تسلیم نہیں کرتا۔ البتہ ان کے اعمال و کردار قرآن میں، حدیث کی کتابوں میں، اور معتبر مستند کتابوں میں بیان ہوئے ہیں، بہت سے اصحاب ایسے تھے جنہوں نے وہ قابل تعریف کام کئے جن کا ذکر قرآن نے بھی کیا ہے حدیث کی کتابوں میں بھی آیا ہے اور تاریخوں میں بھی بیان ہوا ہے وہ اصحاب پیغمبر یقیناً قابل تعرف ہیں اور وہ خدا کے یہاں سے اپنے اعمال و کردار کے مطابق جزا پائیں گے اور بہت سے اصحاب پیغمبر ایسے تھے جنہوں نے وہ کام کئے جن کی قرآن نے مذمت کی ہے حدیث کی کتابوں میں بھی ان کے قابل مذمت اعمال کا ذکر ہوا ہے لہذا وہ اپنے کئے کے مطابق پھل کھائیں گے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ہم نے اس کتاب میں قرآن وحدیث وتفسیر تاریخ سے

جو کچھ لکھا ہے اور جس کے لئے لکھا ہے اس سے کسی کی توہین یا ہتک حرمت منظور نہیں بلکہ ان کے کردار کا بیان قرآن وحدیث وتفسیر وتاریخ میں جو کچھ بیان ہوا ہے صرف اسے نقل کر دیا ہے۔ کیونکہ ایک وضعی حدیث اصحابی کالنجوم میں یہ کہا گیا ہے کہ جس صحابی کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اب ہر غیر جانبدار قاری کا کام کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا ایسے کردار کی اتباع اور پیروی مناسب وجائز ہے یا نہیں۔

وما علینا الا البلاغ

احقر

سید محمد حسین زیدی برستی

فہرست

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین و آلہ الطیبین الطاھرین المعصومین اما بعد فقد قال الحکیم فی کتابہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا ایھاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر "

پ:۲۶ رکوع ۱۴ سورہ الحجرات

ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا

" اے آدمیوں ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا"۔

تمہید :۔قرآن کریم کی یہ آیت کہتی ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ یعنی آدم (ع) اور حوا کی اولاد ہیں اور ذات پات قوم و قبیلے اس لئے بنائے گئے ہیں تا کہ وہ پہچانے جائیں ۔جہاں تک عزت وشرف وبزرگی کا تعلق ہے تو اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت وشرف اور بزرگی والا وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ، پرہیز گار اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ اصل عزت وشرف و بزرگی تقویٰ و پرہیز گاری ۔اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں ہے اور بمطابق آیہ وافی ہدایہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جو پیغمبر گرامی اسلام کی اطاعت و پیروی کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی ہے اور جو رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اللہ کی نافرمانی

کی ہے۔

ایمان اور اسلام کے فرق کا بیان

خداوند تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

''قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا والکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم و ان تطعیوا الله و رسوله لا یلتکم من اعمالکم شیئاً ان الله غفور الرحیم انما المومنون الذین آمنو بالله و رسول ثم لم یرتابوا و جاهدوا باموالهم و انفسهم فی سبیل الله اولئک هم الصادقون''

ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا

''کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اس کے رسول کے کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ اللہ بخشتا ہے مہربان ہے ۔ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے''۔

یہ آیت یہ کہتی ہے کہ دیہات کے کچھ لوگوں نے آ کر یہ کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ان کے یہ کہنے پر خدا پیغمبرؐ سے کہہ رہا ہے کہ اے رسول تم ان سے یہ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ۔لیکن تم یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں ہم نے کلمہ پڑھ لیا ہے اور ایمان تو تمہارے دلوں میں ابھی داخل ہی نہیں ہوا۔البتہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ اس کا پورا پورا اجر وثواب تم کو دے گا اور تمہارے عمل کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہیں

کرے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحیم ہے بلاشبہ مومن تو صرف وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد پھر کبھی شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور اپنے جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ ہیں جو وہ اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں ۔یعنی ایمان کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد پھر کبھی ذرا سا بھی شک نہ کرے دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی راہ میں جان کے ساتھ جہاد کرے اور جان کے ساتھ جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ میدان جہاد سے فرار نہ کرے اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگے ورنہ ایمان لانے کے بعد رسول کی رسالت میں شک کرنے اور میدان جہاد سے فرار کرنے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دعوائے ایمان میں سچا نہیں ہے۔

صحابیت قرآن میں

خداوند تعالیٰ حضرت یوسف کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یوسف کے ساتھ دو اور قیدی داخل ہوئے تو انہوں نے اُن سے کہا:۔

''یصاحبی السجن ءَ ارباب متفرقون خیر ام الله الواحد القهار ''

یعنی اے میرے قید خانے کے ساتھیوں کیا متفرق خداؤں پر ایمان لانا اچھا ہے یا ایک خدا پر ایمان لانا بہتر ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسفؑ کے ساتھ جو قیدی تھے جنہیں حضرت یوسفؑ نے صاحبی کہا ہے کئی خداؤں کے ماننے والے تھے۔

اور سورہ کہف میں ایک شخص کا حال بیان ہوا ہے جس کے دو باغ تھے ۔ انگوروں اور کھجوروں کے اور درمیان میں کھیتی ہوتی تھی اور ان دونوں باغوں کے بیچوں بیچ نہر جاری تھی وہ شخص اپنے ساتھی سے کہتا ہے: ''فقال لصاحبه و هو يحاوره انا اكثر

منک مالاوّ اعز نفراً ''یعنی پھراس نے اپنے ساتھی سے کہاجب وہ اس سے باتیں کرنے لگا کہ میرے پاس تجھ سے زیادہ مال ہےاور آبرواورعزت والےلوگ ہیں۔

قرآن میں اس شخص کو کافر قرار دیا گیا ہےاوراس کے ساتھی کو جسے قرآن نے صاحبہ کہا ہےصاحب ایمان قرار دیا ہے۔پس قرآن کی اصطلاح میں کافر کامومن صحابی ہوسکتا ہےاورمومن کا کافرصحابی ہوسکتا ہے۔

لیکن اس کتاب میں صرف ان اصحاب کا حال بیان ہوگا جوایمان لائے پیغمبرؐ کی رسالت کااقرار کرکےکلمہ طیبہ پڑھایعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھااور مسلمان کہلائے۔وہ پیغمبر کےزمانہ میں تھےاوروہ اکثرپیغمبرؐ کےساتھ رہےاوراکثرجنگوں میں پیغمبر کےہمراہ رہے۔اوران تمام اصحاب میں سے وہ کون ہستیاں ہیں جن کی ناموس عظیم ہےلہذا پہلےہم یہ معلوم کریں گےکہ لغت میں ناموس کےکیامعنی ہیں۔

لغت میں ناموس کے معنی

لغت کی معروف کتاب فرہنگ عمید میں ناموس کےمعنی اس طرح لکھے ہیں:۔

ناموس: شرف،عفت،عصمت،ناموس اکبر جبرئیل۔بالفاظ دیگر جوہستیاں عفت وعصمت کےشرف سےمشرف ہوں وہی صاحبان ناموس ہیں اورجبرئیل امین کواسی لئے ناموس اکبر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام ملائکہ معصومین کےسردار ہیں۔اور بارگاہ الٰہی کےمقرب ترین فرشتے ہیں۔لہذا جوہستیاں صاحبان ناموس ہیں ان کوان کےاس مرتبہ سےگھٹانا جائزنہیں لغت میں ناموس کےمعنی معلوم ہوجانے کےبعد اب ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ آیا اصحاب پیغمبر میں کچھ ہستیاں ایسی ہیں جوعفت وعصمت کےشرف سےمشرف ہیں اوران کی عفت و عصمت کےبارے میں خدااور رسول کی طرف سےکوئی نص ہے یانہیں۔کیونکہ کتاب تذکار

صحابیات کے مصنف کے مطابق صحابیات میں سب سے اول درجہ پر ازواج پیغمبرؐ کا شمار ہوتا ہے واقعاً ازواج پیغمبر تمام امت کے لئے واجب الاحترام ہیں اور وہ امہات المومنین یعنی تمام امت کی مائیں ہیں ۔جیسا کہ ارشاد خداوند ہے کہ" النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم و ازواجه امھتھم" (پ۲۱ع ۱۷سورہ احزاب)

یعنی پیغمبر مومنین کے لئے ان کی جانوں سے زیادہ بڑھ کر ہیں اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں ۔لیکن اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ"ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین "یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے لئے خاتم ہیں ۔اب یہ کیابات بنی کہ رسول تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اس کی بیویاں امت کی مائیں ہیں ۔حالانکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصارائے نجران کے ساتھ مباہلہ میں خدا کے حکم کے مطابق واضح الفاظ میں فرمایا۔فقل تعالوا ندع ابناء نا و ابناء کم ۔اے رسول تم یہ کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ۔اور حدیث وتاریخ کی تمام کتابیں اس بات کی گواہ ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابناء نا کے لئے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو میدان مباہلہ میں ہمراہ لے گئے پس اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے باپ ہیں لیکن امت کے لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۔اور اس کی بیویاں امت کے تمام لوگوں کی مائیں ہیں یعنی امت کے لوگوں پر پیغمبر اکرم (ص) کی ازواج کا اسی طرح سے احترام لازم ہے جس طرح ماؤں کا احترام بیٹوں پر لازم ہے اور جس طرح ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اسی طرح پیغمبر کی بیویوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا بھی مطلقاً حرام ہے ۔ان کی عزت ان کا احترام اپنے مقام پر لیکن امت مسلمہ میں سے کوئی بھی شخص

ازواج پیغمبر میں سے کسی کو معصوم نہیں مانتا۔ پس جو ہستیاں معصوم ہیں لغت کے اعتبار سے وہی صاحبان ناموس ہیں ان کو ان کے اس مرتبہ سے گھٹانا جائز نہیں ہے۔

سب اصحاب پیغمبر جداگانہ حیثیت رکھتے تھے

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ وہ تمام لوگ جو کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور انہوں نے اللہ کی وحدانیت اور پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا اقرار کیا اور پیغمبرؐ کے زمانے میں ان کے ساتھ رہے یا کم از کم آنحضرت صلعم کے زمانے میں تھے وہ سب کے سب اصحاب پیغمبر شمار ہوتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کا بیان ایمان و اسلام کے فرق کے بیان ۔ میں ہو چکا ہے فراجع ۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کا تفصیلی بیان سورۃ منافقون میں آیا ہے اس کی پہلی آیت میں یہ آیا ہے کہ: ''اذا جاء ک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله يعلم انک لرسوله والله يشهد ان المنفقين لكذبون''۔ (منافقون آیت نمبر 1)

یعنی جب منافقین تیرے پاس آتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں اس بات کا کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔

اور سورۃ توبہ میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ

''ومن حولكم من الاعراب منفقون و من اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم'' پ 11 رکوع 2 سورۃ توبہ

اور تمہارے گرد دیہات میں رہنے والے لوگوں میں بعض منافق ہیں اور مدینے میں رہنے والے لوگوں میں سے بھی بعض لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تو ان کو نہیں جانتا لیکن ہم ان

کو جانتے ہیں۔اس عنوان کے تحت نمونہ کے طور پر اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ اس کی تفصیل مختلف واقعات اور اسلامی جنگوں کے ذیل میں آئے گی ۔لیکن یہاں پر پہلے ہم ان ہستیوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو معصوم سمجھا جاتا ہے اور یہ جاننے کے لئے ہم یہ دیکھیں گے کہ قرآن میں وہ کونسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہستیاں جن کے لئے قرآن میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں معصوم ہیں۔

قرآن کے کونسے الفاظ کسی کے معصوم ہونے پر دلالت کرتے ہیں

قرآن کریم کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چار الفاظ ہیں جو کسی کے معصوم ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور وہ چار الفاظ یہ ہیں

(۱)اصطفےٰ (۲)اختیار (۳)اجتبیٰ (۴)طھر

راغب اصفہانی اپنی لغت کی معروف کتاب مفردات القران میں لکھتے ہیں۔

الاصطفاء

اصطفےٰ کا معنی صاف اور خالص چیز لے لینا ہے کہ جیسا کہ اختیار کے معنی بہتر چیز لے لینا آتے ہیں اور الاجتباء کے معنی جبایۃ سے عمدہ چیز منتخب کر لینا آتے ہیں اس کے بعد راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

اللہ کا کسی بندہ کو چن لینا کبھی بطور ایجاد کے ہوتا ہے یعنی اسے اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور کبھی اختیار اور حکم کے ہوتا ہے گویا یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی۔

اصطفے کے اس لغوی معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے مطلب یہ ہوا کہ اردو میں ترجمہ کرتے وقت گواس کا ترجمہ منتخب کرنا یا چننا کیا جاتا ہے اور اختیا اور اجتبیٰ کا معنی بھی منتخب کرنا یا چننا کیا جاتا ہے اور اختیار اور اجتبیٰ کے معنی بھی منتخب کرنا اور چنناہی کرتے ہیں لیکن حقیقتا اصطفے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے کسی کا اصطفے کرنا یہ ہوتا ہے کہ خدا اسے خلقی وفطری یعنی پیدائشی طور پر بطور ایجاد کے اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف پیدا کرتا ہے ۔جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور انہیں ایسی قابلیت وصلاحیت اور استعداد کا حامل بنا کر پیدا کرتا ہے کہ وہ وحی الٰہی کو اخذ کرسکیں اور سمجھ سکیں اور کسی کو اختیار کرنا اور اجتبیٰ کرنا بعد کا مرحلہ ہے یعنی وہ اختیار صرف اس کو کرتا ہے جو پہلے سے مصطفےٰ ہوتے ہیں جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں بیان کیا ہے کہ یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی یعنی پہلے خدا مصطفیٰ بناتا ہے اور انہیں پیدائشی طور پر ان اندرونی کثافتوں سے پاک وصاف رکھتا ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں پھر انہیں اختیار کرتا ہے اور پھر انہیں مجتبیٰ بناتا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ سوائے خدا کے اس بات کا علم کہ اس نے خلقی و پیدائشی طور پر بطور ایجاد کسے مصطفےٰ بنایا ہے اور کسی کو نہیں ہوسکتا ۔لہذا انبیاء ورسل اور ہادیان دین کے منصب کے لئے بھی اس کے سوا اختیار کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں ہے ۔اس مطلب کو قرآن کریم میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:''**وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون**''

''یعنی تیرا رب ہی جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور اختیار کرتا ہے لوگوں میں سے کسی کو بھی اس بات کا اختیار نہیں ہے ۔اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک ہے''۔

لہذا اب ہم پہلے قرآن میں جہاں جہاں اور جس جس کے لئے یہ الفاظ آئے ہیں

انہیں تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور سب سے پہلے لفظ اصطفےٰ کو لیتے ہیں۔

حضرت مریمؑ کا اصطفےٰ

ارشادرب العزت ہے" **و اذ قالت الملائکة یا مریم ان اللہ اصطفک و طھرک . واصطفا ک علی نساء العالمین** "(آل عمران 42)

اور اس وقت کو یاد کرجبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریمؑ اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا تمہارا اصطفےٰ کیا تمہیں مصطفےٰ بنایا ہے اورتم کو طاہر و پاک و صاف رکھا ہے اورتم کو دنیاں جہاں کی عورتوں پر فضیلت دی ہے اور برتری عطا کی ہے اور تمہیں زمانہ بھر کی عورتوں میں سے چن کر برگزیدہ کیا ہے۔

اب مذکورہ آیت میں حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ الفاظ دو دفعہ آیا ہے ایک تو **طھرک** سے سے پہلے (**ان اللہ اصطفاک و طھرک**) تو یہاں اصطفا ک کے معنی اردو میں برگزید کرنا اور چنناہی کیا جاتا ہے لیکن یہ برگزیدہ کرنا اور چننا کیسے ہے؟

یہ اس طرح نہیں ہے کہ پہلے تو اس کو پیدا کر دیا ہو پھر وہ ان کثافتوں میں مبتلا رہی ہو جس میں دوسرے مبتلا ہوتے ہیں اور پھر ان کثافتوں میں مبتلا رہنے والوں میں سے چن کر اسے پاک کیا ہو۔نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ اصطفا ک کا مطلب یہ ہے کہ اے مریم اللہ نے تجھے پیدا ہی کثافتوں سے پاک کیا ہے، جو دوسروں میں پائی جاتی ہیں اور پھر واؤ تفسیری کے ذریعے فرماتا ہے۔**و طھرک** اللہ نے تجھے پیدائشی طور پر پاک و پاکیزہ اور معصوم رکھا ہے اور دوسروں میں پائی جانے والی کثافتیں اور عیوب تجھ میں نہیں ہے۔

اور دوسرے حصہ میں یہ لفظ **اصطفےٰ علی نساء العالمین** سے پہلے۔جو دراصل اس لفظ کے لغوی معنی کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ تمام دنیا جہان کی عورتوں پر تجھے

فضیلت و برتری حاصل ہے کہ تمام دنیا جہان کی عورتوں میں جو کثافتیں ہوتی ہیں وہ تجھ میں نہیں ہیں اور تو پیدائشی طور پر مرتبہ اصطفےٰ پر فائز ہے اور پاک و پاکیزہ ہے اور معصوم ہے اس لئے تجھ میں وحی الٰہی کو اخذ کرنے، سننے اور سمجھنے کی صلاحیت و قابلیت و استعداد موجود ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں موجود لفظ علی نساء العالمین کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی تھیں۔ یہ بات تو بلا شک وشبہ صحیح ہے اور اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے لیکن حضرت مریمؑ کا قیامت تک کی دنیا جہان کی تمام عورتوں پر فضیلت و برتری رکھنا بھی کوئی مانع نہیں رکھتا۔

شاید یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کہ خدا کے مصطفےٰ بندوں اور پاک و پاکیزہ ہستیوں میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو حضرت مریمؑ سے افضل ہیں۔ لیکن یہ مقابلہ ان برگزیدہ ہستیوں سے نہیں ہے بلکہ یہ مقابلہ دنیا جہان کی عام عورتوں سے ہے۔ کیونکہ جب خدا کے مصطفےٰ بندوں کا مقابلہ مصطفےٰ بندوں سے ہوگا تو ان کی درجہ بندی اور ہوگی جیسا کہ ارشاد ہوا کہ "**تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض**" (البقرہ۔253)

یعنی یہ جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

لیکن خدا کا بھیجا ہوا ہر نبی اور ہر رسول اور ہر ہادی صرف اپنے زمانے کے لوگوں سے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام جہانوں کے جن و انس سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"**و کلا فضلنا علی العالمین**" (الانعام۔86)

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت مریمؑ نہ تو نبی تھیں نہ رسول تھیں اور نہ امام تھیں لہٰذا یہاں اصطفےٰ کے معنی ان عہدوں میں سے کسی منصب کے لئے

چننا اور اختیار کرنا نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کے پاس ان مناصب میں سے کوئی منصب تھا ہی نہیں ۔سوائے اس کے جو مفردات راغب اصفہانی سے سابق میں بیان ہوا ہے ۔البتہ اگر عورت نبی ہو سکتی ہوتی ، رسول بن سکتی ہوتی یا امام ہو سکتی ہوتی تو یقینا حضرت مریم کو اپنے زمانے کی عورتوں کے لئے نبوت یا رسالت یا امامت کے لئے منتخب کرتا نہ کہ کسی اور عورت کو

تمام انبیاء و رسل اور ہادیان دین کا اصطفٰے

خداوند تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

" ان اللہ اصطفٰے آدم و نوحاً و آل ابراھیم و آل عمران علیٰ العالمین "۔ آل عمران 33

بیشک خدا نے آدم کو، نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو تمام دنیا جہان کے لوگوں پر اصطفٰے کے ذریعہ برتری عطا کی۔

اس آیت میں اختصار کے طور پر آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام ہادیوں یعنی تمام نبیوں، تمام رسولوں اور تمام اماموں کے اصطفٰے کا ذکر ہے یعنی کوئی بھی ہادی خواہ نبی ہو یا رسول ہو یا امام ہو ہدایت کے منصب پر فائز نہیں کیا جاتا جب تک کہ اسے پیدائشی طور پر پہلے سے ان صفات کا حامل بنا کر پیدا نہ کیا گیا ہو جو کار ہدایت انجام دینے کے لئے ضروری ہیں ۔لہذا سب کے سب انبیاء و رسل اور تمام ہادیان دین خدا کے مصطفٰے بندے تھے اب ہم لفظ اصطفٰے کے معنی کی تحقیق پیش کرنے کے بعد لفظ اختیار کے معنی کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔

اختیار

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

الاختیار: (افتعال) بہتر چیز کوطلب کر کے اسے کرگزرنا اور لفظ اصطفی کے معنی کی تحقیق کے بیان میں گذر چکا ہے کہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اختیار کے معنی بہتر چیز کو لے لینا کے آتے ہیں لیکن یہ قسم پہلے معنی کے بغیر نہیں پائی جاتی ۔ یعنی جو پہلے سے مصطفیٰ ہوتا ہے خدا اسی کو اختیار کرتا ہے قرآن کریم میں آیا ہے:

فلما اتها نودی یموسیٰ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طویٰ و انااخترک فاستمع لما یوحیO (طہ 1 تا 13)

یعنی جب موسیٰ کوہ طور پر آگ کے پاس آئے تو ان کو آواز دی گئی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں اور تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔ پس تم اپنی جوتیاں اتار دو اور میں نے تم کو اختیار کیا ہے پس جو کچھ تم کو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنو۔

یہاں پر بھی اخترتک کے معنی چننا یا برگزیدہ کرنا ہی کیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد وہی بہتر چیز کوطلب کر کے کرگزرنا ۔ یا بہتر چیز کو لے لینا ہے یعنی نبوت و رسالت کے لئے موسیٰ کو پیدائشی طور پر اصطفے کیا گیا تھا وہ خدا کے مصطفے بندے تھے لہذا خدا نے انہیں اس کام کے لئے بہتر سمجھتے ہوئے اختیار کر لیا اور ان پر اپنی وحی کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ لفظ اختیار کی تشریح میں اتنا ہی کافی ہے اب ہم لفظ اجتبیٰ کے معنی میں غور کرتے ہیں ۔

اجتبیٰ

راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں

الاجتباء: (افتعال) کے معنی انتخاب کے طور پر کسی چیز کو جمع کرنے کے ہیں لہذا آیہ کریمہ:

" واذ لم تاتیهم قالوا لولا اجتبیها " (الاعراف 203)

اور جب تم ان کے پاس کچھ دنوں تک کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں تم نے

(اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالیں ہیں۔لولا اجتبیھا کے معنی یہ ہوں گے کہ تم خود ہی ان کو تالیف کیوں نہیں کر لیتے۔

دراصل کفار تو یہ جملہ طنزیہ کہتے تھے کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں تم خود ہی اپنے طور پر بنالیتے ہو۔اس آیت سے ثابت ہوا کہ اجتبیٰ کے معنی کسی کا کسی چیز کو بنانا ہے ۔اس مطلب کو سمجھنے کے لئے قرآن میں بہت سے مثالیں ہیں ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کا اجتبیٰ

سورہ یوسف میں آیا ہے کہ جب حضرت یوسف نے اپنے بات حضرت یعقوبؑ سے کہا کہ میں نے گیارہ ستارے اور چاند اور سورج دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کرر ہے ہیں تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا:

" وکذالک یجتبیک ربک و یعلمک من تاویل الاحادیث و یتم نعمته علیک وعلیٰ آل یعقوب کما اتمھا علیٰ ابویک من قبل ابراھیم و اسحق ان ربک علیم حکیم ". (یوسف6)

اور اسی طرح تمہارا پروردگار تمہارا اجتبیٰ کرے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمتیں پوری کرے گا جیسے کہ پہلے تمہارے پر دادا ابراہیم اور دادا اسحاق پر کر چکا ہے یقیناً تمہارا پروردگار صاحب علم وحکمت ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا انبیاء کو علوم کی تعلیم دینے کے لئے انہیں اپنے زیر نظر رکھتا ہے اور ان کی تعلیم وتربیت خود کرتا ہے اور یــــــجتبیک ربک کے بعد ۔و یــعــلـمـک اس کی واضح دلیل ہے گویا خدا ان کی خودتربیت کرتا ہے اور انہیں اپنے فیوض و

برکات اور علم غیب کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔

تمام انبیاء کا اجتبیٰ

خداوند تعالیٰ تمام انبیاء کا مجمل طور پر بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

" اولئک الذین انعم الله علیهم من النبین من ذریة آدم و ممن حملنا مع نوح و من ذریة ابراهیم و اسرائیل و ممن هدینا و اجتبینا "

مریم۔58

یعنی یہ تمام کے تمام انبیاء (جن کا اوپر بیان ہوا ہے) وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے ان میں سے کچھ تو آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور کچھ انبیاء ابراہیم (ع) اور یعقوب (ع) کی اولاد میں سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور ان کا اجتبیٰ کیا اور انہیں مجتبیٰ بنایا۔

اس آیت میں خدا نے تمام انبیاء کی ہدایت پر اپنا انعام کرنے اور ان کا اجتبیٰ بیان کیا ہے راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اجتبیٰ کے معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو کسی بندہ کو چن لینا کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے فیض کے لیے برگزیدہ کر لیتا ہے جسے گوناگوں نعمتیں جدوجہد کے بغیر حاصل ہو جاتی ہیں۔یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور صدیقوں اور شہیدوں کے لئے جو ان کے قریب درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔اگرچہ مذکورہ آیت میں انبیاء کے لئے اجتبیٰ کا بیان ہوا ہے لیکن ہر جگہ معنی وہی منتخب کرنا، برگزیدہ کرنا اور چن لینا استعمال ہوئے ہیں جبکہ اصطفےٰ اور اختیار کے معنی کے لیے بھی اردو میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ ان الفاظ کا یعنی اصطفےٰ کا اختیار کا اور اجتبیٰ کا علیحدہ علیحدہ معنی کر سکے۔ حالانکہ عربی زبان میں علیحدہ علیحدہ الفاظ آئے ہیں حالانکہ ہر زبان میں کسی لفظ کے معنی تو کئی

کئی ہو سکتے ہیں لیکن ایک مطلب کے لئے کئی کئی الفاظ وضع نہیں کیے جاتے جب تک ان کے معنی میں کوئی فرق نہ ہو اب فرق ان میں یہ ہے کہ اصطفیٰ کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن میں خدا نے خلقی طور پر بطور ایجاد کے وہ صفات وہ خصوصیات وہ خوبیاں وصلاحیت وہ قابلیت اور وہ استعداد پیدا کی ہوئی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ وحی الٰہی کو اخذ کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جو کسی کو نبی بنانے کے لئے ایک ضروری و لازمی صفت ہے ۔ بالفاظ دیگر نبی پیدائش کے وقت بھی مصطفیٰ ہوتا ہے اور مرتبہ نبوت پر فائز ہوتا ہے اور معصوم ہوتا ہے ایسا نہیں ہے کہ پہلے تو وہ ایام جاہلیت کے تمام عیوب کا حامل رہا پھر چالیس پچاس سال کے بعد خدا اس کو اس کی جاہلیت اور تمام عیوب کے باوصف چن کر اسے نبی بنادے کہ لو میاں اب تم ہمارا یہ کام کیا کرو ۔ بالفاظ دیگر خدا کی چنی ہوئی چیز پہلے سے اچھی ہوتی ہے چنے جانے کے بعد اچھی نہیں بنتی ۔ اور اختیار کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان ہستیوں کو جنہیں اس نے مصطفیٰ بنایا ہے انہیں وحی کے لئے اور انہیں اپنے کام کا بنانے کے لئے ہمہ وقت اپنی زیر نظر رکھنے کی خاطر دوسرے لوگوں میں سے بہتر طور پر چن لیتا ہے ۔ اور اجتبیٰ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے ان مصطفیٰ بندوں کو اپنے کام کا بنانے کے لئے ہمہ وقت اپنی زیر نظر رکھتا ہے ۔ ان کی نگرانی کرتا ہے انہیں خود تعلیم دیتا ہے انہیں اپنے کام کا بنانے کے لئے خود تربیت کرتا ہے اور ہر دم ان پر اپنی نعمتیں، رحمتیں، فیوض و برکات نازل کرتا رہتا ہے ۔ اور کبھی انہیں خود ان کے نفس کے حوالے نہیں کرتا اور ایک آن اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی طرف سے غافل نہیں رہنے دیتا ۔ بلکہ ہر دم اپنی طرف سے ہدایت و نگہبانی اور تنبیہ و برہان کے ذریعہ ہوشیار اور خبر دار رکھتا ہے اور یہ ہدایت و تنبیہ و برہان ان پیغامات اور سلسلہ وحی کے علاوہ ہوتی ہے جو امت کو پہنچانے کے لئے اس کی طرف کی جاتی ہے اور یہی ہدایت و اجتبیٰ وہ چیز ہے جو انبیاء و رسل اور ہادیان دین کو معصوم رکھتی ہے اور ہر قسم کی لغزش، سہو

نسیان اور بھول چوک سے محفوظ رکھتی ہے اور ہر قسم کے گناہ سے بچاتی ہے اور محاسن اخلاق کا حامل بناتی ہے۔

خدا کے مجتبیٰ بندے حتماً معصوم ہوتے ہیں

گذشتہ بیان سے ثابت ہوگیا کہ خدا کے مجتبیٰ بندے ہر وقت خدا کے لطف خاص سے اس کے زیر نظر رہتے ہیں اور اس کی مسلسل ہدایت کے ذریعہ تربیت پاتے ہیں خدا کی مہربانی ہر دم ان کے ساتھ رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ خدا نے حضرت یوسف (ع) کے بارے میں سورہ یوسف کے شروع میں ان کے اجتبیٰ کا ذکر کیا جس کا بیان پہلے گذر چکا ہے اور اس سورہ کے درمیان میں یہ بتلایا کہ میرے مجتبیٰ بندے میری مہربانی میری ہدایت اور میری برہان کو دیکھتے رہتے ہیں اور کبھی بھی کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کرتے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

''ولقد همت به وهم بها لولا ان را برهان ربه كذالک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين'' (یوسف 44)

اور ضرور زلیخا نے یوسف سے بدی کا ارادہ کر ہی لیا تھا اور یوسف بھی اگر اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھتے تو وہ بھی زلیخا سے ایسا ہی قصد کر بیٹھتے۔ اسی طرح (ہماری مہربانی اور برہان ہمارے مجتبیٰ بندوں کے سامنے رہتی ہے) تا کہ ہم ان سے بدی اور بے حیائی کی باتوں کو دور رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔

یہ ہے خدا کا اجتبیٰ کہ خدا ان سے مہد سے لے کر لحد تک کوئی لغزش نہیں ہونے دیتا اور انہیں معصوم رکھتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو افضل الانبیاء ومرسلین ہیں کے لئے روز فتح مکہ

ایسی برہان کا قرآن میں ذکر ہوا ہے۔

عیاشی میں حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ روز فتح مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کے بتوں کو مسجد سے باہر کردیں اورتوڑ ڈالیں ۔قریش کا ایک بت کوہ صفا ومروہ پر رکھا ہوا تھا انہوں نے حضرت سے التجا کی کہ اس کو نہ توڑیں ۔ حضرتؐ نے تھوڑا سا تامل کیا۔پھرفرمایا کہ اس کوبھی توڑ ڈالواس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

" ولولا ان ثبتنک لقد کدت ترکن الیھم شئاً قلیلاً''(بنی اسرائیل74)

اوراگر ایسا نہ ہوتا کہ ہم نے تم کو ثابت قدم رکھا تو تم ضرور تھوڑا بہت ان کی طرف جھک جاتے ۔

یہ قریش کی درخواست پرتھوڑا سا تامل کرنا اورسوچ میں پڑ جانا وہ موقع تھا جب خدا نے پیغمبر گرامی اسلام کوثابت قدم رکھا اورکوہ صفا پر رکھے ہوئے اس بت کوفوراًتوڑ دینے کاحکم دیا۔یہ ہے وہ اجتبیٰ جس کی وجہ سے وہ اپنے انبیاء ورسول اورہادیان دین کو ہر حال میں معصوم رکھتا ہے۔

پیغمبرگرامی اسلام(ص)کےحقیقی جانشینوں کا اجتبیٰ

اب تک کے بیان سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ خدا جن کو ہادی خلق بنا کر دنیا میں بھیجتا ہےوہ ان کو پہلے خلقی طور پربطور ایجاد کے مصطفیٰ بناتا ہےپھروہ انہیں مصطفےٰ ہونے کی بناءپرسب سے بہتر کےطور پراختیار کرتا ہےاوران کواختیار کرنے کےبعدان کواپنے زیرنظر رکھتا ہےان پر اپنےفیوض وبرکات نازل فرماتا ہےان کو ہردم اپنی دلیل وبرہان کےذریعہ ہرقسم کی لغزش سےمحفوظ رکھتا ہےاورانہیں ہادی کےطور پراپنے کام کابنانے کے لئے جولفظ استعمال کیا ہےوہ اجتبیٰ ۔یعنی خدا جنہیں مجتبےٰ بناتا ہےانہیں پہلے اپنے بندوں میں سے

اختیار یعنی (SELECT) یا منتخب کرتا ہے اور وہ صرف انہیں کو ہدایت کرتا ہے جن میں اس نے وہ صفات و خصوصیات ایجاد کی ہوئی ہوتی ہیں جو اس کے منصب ہدایت کے لئے درخور حال ہوں یعنی جنہیں اس نے خلقی طور پر پہلے سے مصطفےٰ بنایا ہو۔

اور قرآن یہ کہتا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام (ص) کے بعد بھی کچھ ہستیاں ایسی ہیں جن کا خدا نے اجتبیٰ کیا ہے اور خدا نے انہیں مجتبےٰ بنایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"یا ایها الذین آمنوا الرکعو ا و اسجدو او اعبدوا ربکم و افعلوا الخیر لعلکم تفلحون . و جاهدوا فی الله حق جهاده ، هو اجتباکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج . ملة ابیکم ابراهیم هو سمٰکم المسلمین من قبل و فی هذا لیکون الرسول شهیداعلیکم و تکونوا شهداء علی الناس" (الحج 77-78)

یعنی اے ایمان والوں رکوع کرو اور سجدے کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور خدا کی راہ میں ایسا جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہیں مجتبیٰ بنایا ہے، تمہارا اجتبیٰ کیا ہے اور تم پر دین کی کسی بات کی تنگی نہیں کی ۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے ۔ اس نے پہلے سے ہی تمہارا نام مسلمین (یعنی خدا کی مطیع و فرمانبردار رکھا ہے ۔ اس قرآن میں بھی تمہارا وہی نام ہے) تا کہ رسول تمہارے اوپر گواہ ہوں اور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو۔

قرآن کریم کا معنی و مطلب سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ کسی کا نام نہیں لیتا بلکہ ان کے افعال ان کی صفات اور ان کی خصوصیات بیان کرتا ہے پس جن لوگوں میں وہ صفات اور وہ خصوصیات پائی جاتی ہیں خدا کے نزدیک اس کے اصل مصداق وہی ہوتے ہیں اور جن میں وہ صفات وہ خصوصیات نہ ہوں وہ خدا کی مراد نہیں ہوتے ۔

اس آیت میں خطاب یا ایھا الذین آمنوا سے ہے۔لہذا اس آیت میں جن کے اجتبیٰ کا بیان ہوا ہے وہ سابقہ انبیاء ورسل نہیں ہو سکتے ۔ بلکہ خدا نے پیغمبر کے بعد کے لئے جن کو مجتبیٰ بنایا ہے یہ ان کا ذکر ہے ۔دوسرا اس آیت میں اگر چہ خطاب (یا ایھا الذین آمنوا) سے ہے لیکن بعد کے الفاظ کی قید اس اجتبیٰ کو کچھ خاص ہستیوں میں محدود کر رہی ہے وہ الفاظ یہ ہیں ۔

نمبر 1: ھو اجتباکم : ۔اس نے تمہیں مجتبیٰ بنایا ہے اور جیسا کہ ہم نے راغب اصفہانی کی مفردات القرآن سے بیان کیا ہے ۔اجتبیٰ کا نمبر اختیار کے بعد آتا ہے اور اختیار کا نمبر اصطفےٰ کے بعد آتا ہے ۔پس خدا اس آیت میں جن ہستیوں سے مخاطب ہے وہ مصطفیٰ بھی ہیں خدا کی طرف سے کار ہدایت انجام دینے کے لئے اختیار کردہ بھی ہیں اور مجتبیٰ بھی ہیں ۔

نمبر 2:ملة ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین من قبل :۔یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اس نے پہلے ہی تمہارا نام مسلمین (یعنی خدا کا مطیع وفرمانبردار رکھا ہے) اس آیت کے یہ الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ جن ہستیوں سے یہ خطاب ہے وہ وہ ہیں جن کا باپ ابراہیم ہے ۔اور وہ ابراہیم کی اولاد ہیں ’ملة ابیکم براھیم ‘تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کو اولاد ابراہیم نہیں کہا جا سکتا ۔بالفاظ دیگر تمام مسلمان ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں ۔دوسرے آیت کا یہ جزو کہ ’’ ھو سمٰکم المسلمین من قبل ‘‘یعنی اسی (ابراہیم) نے تمہارا نام (خدا کا مطیع وفرمانبردار)رکھا ہے اور یہ اس دعائے ابراہیمی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیم نے تعمیر خانہ کعبہ کے وقت کی تھی جس میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل دونوں شریک تھے قرآن میں اس دعائے ابراہیمی کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں ۔ ’’ربنا واجعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امة مسلمة لک ‘‘ (البقرہ 128)

یعنی اے ہمارے پروردگار ہم دونوں (ابراہیم واسماعیل) کو اپنا مسلمان (یعنی مطیع وفرمانبردار) بنائے رکھ اور ہم دونوں (یعنی میری اور اسمٰعیل) کی ذریت میں سے بھی ایک گروہ ایسا قرار دے جو تیرا مسلم (یعنی مطیع وفرمانبردار) رہے۔

یہ مسلم کا نام ابراہیم (ع) نے اصطلاحی مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ لغوی معنی کے لحاظ سے خود اپنے اور اپنی اور اسمٰعیل کی ذریت میں سے کچھ ہستیوں کے لئے استعمال کیا ہے اگر چہ آج تمام ایمان لانے والے اور کلمہ پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے تمام لوگوں مسلمان ہی کہلاتے ہیں مگر حقیقت میں صرف وہی ذریت ابراہیم مراد ہیں جنہیں مخاطب کر کے خدا نے **ملة ابیکم ابراهیم** کہا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسحاق (ع) اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام جن کالقب اسرائیل تھا کی اولاد میں بیشار انبیاء گذرے ہیں اور ان کے مصطفےٰ ومجتبٰی ومعصوم ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔لیکن اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیل کی نسل میں ہونے والی ہستیاں ہی مراد ہیں اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اس دعا میں خانہ کعبہ کی تعمیر میں حضرت اسماعیل کی شرکت کا یہ اجر مانگا تھا کہ ان کی نسل میں جو حضرت اسماعیل سے ہوگی خدا ایسے بندوں کو قائم ودائم رکھے جو خدا کی مطیع وفرمانبردار رہے۔

نمبر 3: تیسرے نمبر پر وہ الفاظ جو خاص طور پر قابل غور ہیں وہ یہ ہیں:- **لیکون الرسول شهیداً عیکم و تکونوا شهداء علی الناس** تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو۔اس جملہ میں (ل)تعلیل کے لئے ہے اور اس کے ذریعے ہو اجتبا کم اس نے تمہیں مجتبٰی بنایا کی علت بیان کی گئی ہے یعنی تمہیں ہر وقت اور ہر آن اپنی زیر نظر اپنی زیر ہدایت اور اپنے زیر تربیت اس لئے رکھا ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم تمام لوگوں پر گواہ ہو

پیغمبرؐ ان گواہان پر کس بات کی گواہی دیں گے اور یہ گواہ لوگوں کے مقابلہ میں کس بات کے گواہ ہوں گے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ شہید کس بات کی گواہی دیں گے۔ بعض مفسرین نے اس گواہی کو لوگوں کے اعمال سے متعلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کے کاندھے پر دو معزز فرشتے موجود رہتے ہیں اور ہر شخص کے اعمال لکھتے رہتے ہیں (الانفطار پ۳۰ ع ۷)اور سورہ یٰسین میں یہ کہا گیا ہے کہ اس دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کاموں کے لئے جو انہوں نے کئے تھے اور سورہ عبس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس دن ہر آدمی اپنے بھائی سے اپنی ماں سے سے اپنے باپ سے اپنی بیوی سے اور اپنی بیٹیوں سے دور بھاگے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر پڑی ہوئی ہوگی نفسا نفسی کا عالم ہوگا ایسے میں کون ہے جو کسی کی گواہی دے سکے۔

لہذا اب تحقیق طلب بات یہی ہے کہ پیغمبران ہستیوں کے بارے میں جن کو اس آیت میں لوگوں کے اوپر شہید یعنی گواہ کہا گیا ہے وہ ان ہستیوں کی کس بات کی گواہی دیں گے اور وہ تمام لوگوں پر کس بات کے گواہ ہوں گے اس بات کا علم سورہ عنکبوت کی ایک آیت سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جس میں خدا یہ کہہ رہا ہے کہ وہ پیغمبر کا گواہ ہے لہذ آیئے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ خدا پیغمبرؐ کے لئے کس بات کا گواہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔

"اولم یکفیهم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیهم ان فی ذالک لرحمةو ذکری لقوم یومنون ۔قل کفی بالله بینی وبینکم شهیدا "

(العنکبوت52)

"کیا ان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہوئی کہ ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل

کی جوان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے ۔ بیشک جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے ضرور اس میں رحمت نصیحت (موجود) ہے تم کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ ہی کافی ہے ۔

اس آیت کا سیاق و سباق یہ کہتا ہے کہ یہ گواہی تصدیق رسالت کے لئے ہے یعنی جو لوگ وحی آسمانی سن کر ایمان نہیں لائے انہیں کہا جا رہا ہے کہ کیا ان کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے اور اگر اب بھی وہ انکار کرتے ہیں اور یہ بات نہیں مانتے کہ پیغمبر گرامی اسلام خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو اس بات کی گواہی تو بس وہی دے سکتا ہے جس نے انہیں بھیجا ہے اس لئے فرمایا:- ''قل كفى بالله بيني وبينكم شهيدا'' اے میرے رسول تم کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ ہی کافی ہے ۔

پس یہاں پر خدا کی گواہی یہ ہے کہ واقعاً خدا نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے ۔ اس طرح پیغمبر کی گواہی ان کے بعد کے شہیدوں اور گواہوں کے لئے یہ ہوگی کہ پیغمبرؐ نے خدا کے حکم سے ان کے لئے بطور ہادی اور امام تقرر کا اعلان کر دیا تھا اور لوگوں کو یہ بتلا دیا تھا کہ:-

''من مات ولم يعرف امام زمانه مات ميتة الجاهلية ''

(مسند احمد حنبل)

یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا ۔

کیونکہ پیغمبر کے بعد مسلمانوں کی اکثریت نے خدا کے مقرر کردہ اور پیغمبر کے اعلان کردہ ہادیوں کو نہ مانا ۔ لہذا انھوں نے بڑی شدت کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا کہ پیغمبرؐ نے اپنے بعد کسی جانشین کا اعلان اور اپنے بعد ہونے والے ہادی خلق اور امام برحق کا تقرر

نہیں کیا۔لہذا خدا نے اس بات کا اہتمام کیا کہ پیغمبر سے روز قیامت اس بات کی گواہی طلب کرے اور ان سے اہل محشر کے سامنے یہ پوچھے اور اس بات کی گواہی لے کر انہوں نے اپنے بعد ہادیوں اور اماموں کا بالفاظ واضح اعلان کر دیا تھا اور خدا کی حجت تمام کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی اور دعوت ذوالعشیرہ سے لے کر اعلان غدیر تک اور اعلان غدیر سے لے کر بستر مرگ تک ان کے تقرر کا اعلان کرتا رہا اور لوگوں کو بتلاتا رہا کہ میرے بعد یہ میرے جانشین ہیں یہ میرے بعد ہادی خلق ہیں امام زمانہ ہیں اور وارث قرآن ہیں جو ان کی پیروی کرے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا۔

اور تکونو شهداء علی الناس کے مطابق ان ہادیوں سے جو پیغمبر کے بعد ہدایت کے لئے مقرر کئے گئے تھے اس بات کی گواہی ہوگی کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں ہدایت کا کام انجام دیتے رہے اور لوگوں کو بتلاتے رہے کہ ہم خدا کے حکم سے مقررہ کردہ امام ہیں اور رہم پیغمبر کے بعد ان کے حقیقی جانشین اور ہادی خلق ہیں اور سورہ النحل کی آیت نمبر 89 اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ ان گواہوں کو روز قیامت کھڑا کیا جائے گا اور ان کو کھڑا کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ انکار کرنے والوں ،ان کو نہ ماننے والوں اور یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والوں کا عذر منقطع کر دے کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا اور اپنے بعد کسی کے لئے کسی کو ہادی یا امام کے تقرر کا اعلان نہیں کیا تھا اور انہیں دکھا دے کہ یہ تمہارے پاس آئے تھے یا نہیں ۔یہ تمہارے زمانے میں ہوئے ہیں یا نہیں اور انہوں نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں؟ پھر تم نے انہیں کیوں نہ مانا ان کی ہدایت پر عمل کیوں نہ کیا اور ان کی اطاعت سے رخ کیوں موڑا۔

قرآن سورہ نحل کی آیت نمبر 84 میں یہ کہتا ہے کہ جن لوگوں نے ان گواہوں کو نہ مانا تھا ان کی اطاعت نہ کی تھی اور ان پر ایمان نہ لائے تھے ان کو دیکھ کر دم بخود رہ جائیں گے

۔نہ تو وہ کوئی کلام کرسکیں گے اور نہ ہی کوئی عذر پیش کرسکیں گے بس یہ گواہ خدا کی طرف سے حجت ہوں گے کہ اس نے پیغمبر کے بعد لوگوں کو بغیر ہادی کے نہیں چھوڑا۔اور پیغمبر کی گواہی ان شہیدوں اور ان گواہوں کے لئے یہ ہوگی کہ میں نے اپنے اعلان نبوت سے لے کر اعلان غدیر تک اور اعلان غدیر سے لے کر اس جہاں سے رخصت ہونے تک تمام مسلمانوں کے سامنے عام طور پر اور اپنے اصحاب کے سامنے خاص طور پر جتا جتا کر ان کے بارے میں اعلان کیا تھا اور انہیں بتلا دیا تھا کہ میرے بعد بارہ جانشین ہوں گے جن میں سے پہلا علی ہے اور آخری مہدیؑ ہے۔اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر مستند کتاب میں میری یہ حدیث لکھی ہوئی موجود ہے۔

ہم نے شہید کے معنی کی تشریح اتنی تفصیل کے ساتھ اسی لئے کی ہے کیونکہ بہت سے مفسرین نے یہ کوشش کی ہے کہ ہر صورت میں پیغمبر کے بعد آنے والے ہادیوں، اماموں اور پیغمبر کے حقیقی جانشینوں سے گریز کیا جائے ۔اور ساری امت محمد کو شہید قرار دے دیا جائے لیکن پیغمبر نے جن کے لئے اعلان کیا تھا پیغمبر کے ان حقیقی جانشینوں کی طرف رخ نہ کیا جائے لہذا ہم نے قرآن کریم کی آیات سے واضح طور پر یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ شہید جن کا ان آیات میں ذکر ہے اور جو بروز قیامت لوگوں پر گواہ ہوں گے اور پیغمبر ان پر گواہ ہوں نہ تو انبیاء ہو سکتے ہیں اور نہ ہی فرشتے ۔ دوسرے بوقت نزول قرآن خطاب خود ان شہیدوں سے ہے اور اس پر سورہ الحج کی آیت نمبر 77-78 میں اجتبا کم وعلیکم واہکم اور سما کم کے الفاظ گواہ ہیں جن میں (کم) کی ضمیریں ساری کی ساری مخاطب کے لئے ہیں۔

اور اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت 143 میں **جعلنا کم و علیکم** کے الفاظ میں (کم) کی ضمیریں اور تکونوا کا صیغہ بھی مخاطب کے لئے ہیں۔

اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں پر خطاب ان شہیدوں سے ہی ہو رہا ہے

لہذا ان شہیدوں سے مراد گذشتہ انبیاء کے علاوہ فرشتوں کو مراد لینا بھی بالکل غلط اور ہٹ دھرمی ہے اور حقیقی شہیدوں اور پیغمبر کے بعد آنے والے حجت ہائے خداوندی کی طرف سے رخ موڑنے کے لئے ہے۔

اور راغب اصفہانی کی مفردات القرآن سے ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اجتبیٰ کا نمبر اختیار کے بعد آتا ہے اور اختیار کا نمبر اصطفےٰ کے بعد آتا ہے اور مصطفےٰ وہ ہوتا ہے جس میں خدا نے خلقی طور پر وہ صفات وہ خصوصیات وہ صلاحیتیں اور وہ استعدادیں بطور ایجاد کے پیدا کی ہوئی ہوتی ہیں جو ایک ہادی میں ہونی چاہئیں اور خدا ایسے مصطفےٰ بندوں کو اختیار کر کے ان کا اجتبیٰ کرتا ہے ان کی نگرانی کرتا ہے ان کو تعلیم دیتا ہے ان کی تربیت کرتا ہے ان کو اپنے فیوض و برکات سے نوازتا ہے اور کار ہدایت انجام دینے کے لئے ان کی کماحقہ تربیت کر کے ان کو اپنے کام کا بنالیتا ہے ۔پس ثابت ہوا کہ جس طرح سارے انبیاء ورسل خدا کے برگزیدہ ،خدا کے مصطفےٰ ،اس کے اختیار کردہ اور اس کے مجتبیٰ بندے تھے ۔اسی طرح محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد آنے والے شہداء علی الخلق حجت ہائے خداوندی، ہادیان دین اور پیغمبر گرامی اسلام کے حقیقی جانشین بھی خدا کے برگزیدہ خدا کے مصطفےٰ اس کے اختیار کردہ اور اس کے مجتبیٰ بندے تھے۔یہ نظریہ کہ پیغمبر نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا بالکل غلط اور سراسر جھوٹا پروپیگنڈہ ہے کیونکہ پیغمبر کے بعد کچھ ہستیاں ایسی ضرور ہیں جو خدا کی مجتبیٰ ہیں اور خدا کے مجتبیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت خدا کی زیر نگرانی اس کے زیر نظر اور اس کے زیر تربیت ہوتا ہے لہذا وہ معصوم ہوتا ہے اور خدا نے حضرت مریم کی عصمت کو بیان کرنے کے لئے صرف دو لفظ استعمال کئے ہیں ایک لفظ اصطفٰی ہے (اصطفاک)اور دوسرا لفظ (طھرک) ہے یعنی تجھے طاہر و پاک و پاکیزہ رکھا ہے۔مگر پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے حقیقی جانشینوں کے لئے یہ تمام الفاظ استعمال کئے ہیں پس

وہ مصطفیٰ بھی ہیں، خدا کے اختیار کردہ بھی ہیں، مجتبےٰ بھی ہیں اور طاہر و پاک و پاکیزہ بھی ہیں اور اس پر آیہ تطہیر گواہ ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ''

(اے اہل بیت پیغمبر سوائے اس کے نہیں کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے رجس کو تم سے دور رکھے جیسا طاہر و پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے اس آیت کی موجودگی یں آئمہ اہل بیت کی طہارت، ان کی پاکیزگی اور ان کی عصمت کے بارے میں کسی کو مجال انکار نہیں ہے اس آیت کے ذریعہ خدا نے ان کی طہارت و پاکیزگی کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ۔ورنہ ان کے لئے (و ھو اجتباکم)(اس نے تم کو مجتبےٰ بنایا)الفاظ ہی کافی تھے اور کسی کو بھی ان شہدا علی الخلق ۔حجت ہائے خداوندی اور ہادیان دین کے مجتبیٰ ہونے میں بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی تھی جو ان کے معصوم ہونے پر دلالت کرتا ہے ۔

ان الفاظ کی تشریح پر ہم نے اتنا طول اس لئے دیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ انبیاء و رسل اور ہادیان دین کے معصوم ہونے اور ان کو معصوم ثابت کرنے کے لئے اور کوئی لفظ نہیں جس سے ان کی عصمت کو ثابت کیا جا سکے اور یہی سب الفاظ آئمہ اہل بیت کے لئے استعمال ہوئے ہیں ۔لہذا پیغمبر گرامی اسلام کے سامنے اور ان کے بعد مسلمانوں میں سے ان ہستیوں کے سوا ازواج محترمات ہوں یا اصحاب یا غیر اصحاب اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے ۔

اور جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں بیان کیا تھا کہ تمام ازواج پیغمبر امہات المومنین ہیں امت کی مائیں ہیں تمام مسلمانوں پر ماؤں کی طرح ان کا احترام واجب ہے اور کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پیغمبر کی کسی بیوی سے نکاح کرے،

ہاں البتہ تمام مسلمان ازواج ہوں یا غیر ازواج ہوں، اصحاب ہوں یا غیر اصحاب اپنے عمل کے مطابق ہی جزا پائیں گے جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:۔

آیا تمہیں تمہارے عمل کے سوا اور کسی بات کا بدلہ دیا جائیگا؟

پس روز آخر ہر کسی کو اپنے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا لہذا اب اس سے آگے زمانہ پیغمبر (ص) میں مسلمانوں کے اعمال کا قرآن کریم سے جائزہ پیش کرتے ہیں۔

جنگ بدر اور شہادت قرآن

مسلمان جب تک مکہ میں رہے ظلم سہتے رہے لیکن جب وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ آگئے تو یہاں بھی کفار ان کو ختم کرنے کے درپے ہوئے۔ لہذا سب سے پہلے خدا نے مسلمانوں کو ان الفاظ کے ساتھ لڑنے کی اجازت دی۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ (الحج۔39)

اب جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں ان کو بھی لڑنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور بیشک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ جو اپنے شہر مکہ سے یہ کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور کوئی بات نہیں (نہ کسی کا خون کیا نہ کوئی ڈاکہ مارا) بلکہ ناحق نکالے گئے۔

اس آیت میں کافروں کے ساتھ لڑنے کی اجازت ہو گئی اس اجات کے بعد حالات نے دنیا کے طالبوں اور آخرت کے طلبگاروں کو امتحان میں ڈال دیا۔

ابو سفیان تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا لہذا مدینہ میں خبر عام ہو چکی کہ ابو سفیان کا قافلہ اونٹوں پر سامان لئے ہوئے ادھر سے گذرے گا لہذا جن کے دلوں میں مال

دنیا کی تڑپ تھی اور وہ اس بات پر خوش رہے تھے کہ ابو سفیان کا گراں قدر بیش بہا مال تجارت لوٹیں گے اور مالا مال ہو جائیں گے۔ مگر دوسری طرف اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی پہنچ رہی تھی کہ قریش کا لشکر پورے سامان حرب کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے چل پڑا ہے۔ اس موقع پر مدینہ کا دفاع لازم تھا لہذا وحی الٰہی حرکت میں آئی اور خداوند تعالیٰ نے قتال و جہاد کو مسلمانوں پر واجب قرار دے دیا اور ارشاد فرمایا:-

''کتب علیکم القتال و هو کره لکم و عسیٰ ان تکرهوا شیئاً و هو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئاً و هو شرلکم والله یعلم و انتم لا تعلمون '' (البقرہ۔216)

یعنی اے مسلمانوں تم پر قتال (کافروں کے ساتھ لڑنا) واجب کر دیا گیا ہے لیکن وہ تم کو ناگوار معلوم ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک ناگوار ہو لیکن وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بہت ہی پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے بری ہو۔ اور اللہ تو (اس بات کو) جانتا ہے (مگر) تم نہیں جانتے۔

یہ آیت پہلی مرتبہ جہاد قتال کو واجب کرنے والی ہے اور یہ آیت یہ کہتی ہے کہ اس جہاد کے فرض ہونے پر بعض مسلمانوں کو جب سب کے سب اصحاب پیغمبر تھے بہت بُرا لگا اور انہوں نے جہاد کر واجب قرار دینے کو ناپسند کیا۔ کیونکہ وہ تو ابو سفیان کے قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے وہ اس کے مال تجارت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے اور یقیناً وہ لوگ جنہیں منافقین کہا جاتا ہے ابھی تک ظاہری طور پر بھی ایمان نہیں لائے تھے وہ تو جنگ بدر کی فتح کے بعد اس فتح سے مرعوب ہو کر ظاہری طور پر بھی بعد میں ایمان لائے تھے۔ یہ خالص مسلمانوں میں سے ہی کچھ لوگ تھے جنہیں ابو سفیان کا مال تجارت لوٹنا تو پسند تھا لیکن کفار قریش کے ساتھ لڑنا اور جہاد و قتال پسند نہیں تھا ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ابو سفیان کا قافلہ ہاتھ آئے تو

ایک تو گنتی کے چند آدمیوں سے مقابلہ دشوار نہ ہوگا۔دوسرے مال فراواں آسانی کے ساتھ ہاتھ آجائے گا۔لہذا اس آیت میں وہ بات بھی بیان کردی گئی ہے جو مسلمان پسند نہیں کرتے تھے اور وہ بات بھی بیان کردی جو مسلمان چاہتے تھے۔

جہاد کو فرض کرنے کے بعد ایک واضح حکم دیا جو یہ ہے کہ:

"یا ایھا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار . و من یولھم یومئذٍ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزاً الی فیئۃٍ فقد باء بغضب من اللہ و ماواہ جھنم و بئس المصیر" (الانفال15-16)

یعنی اے ایمان والوں جب تمہارا کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ ہو جائے تو (خبردار) ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے سوا جو لڑنے ہی کے واسطے پینترا بدلے یا اپنی ہی فوج کے کسی گروہ سے جا کر ملتا ہو۔جو شخص بھی اس (جنگ والے) دن کفار کی طرف سے پیٹھ پھیرے گا وہ یقینی طور پر خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

یہ وہ دستور العمل ہے کہ صرف اس پر عمل کرنے والا ہی مدح وستائش کا مستحق ہے۔ جو شخص جنگ سے بھاگ کھڑا ہو وہ شخص خدا کے نزدیک نہ صرف مدح وستائش کا مستحق نہیں ہے۔بلکہ وہ خدا کے غضب کا سزاوار ہے اور خدا کا فیصلہ اس کے لئے یہ ہے کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ابھی مسلمانوں کے لئے کفار سے لڑنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ان سے بعض کے محض جہاد کے فرض ہونے سے ہی چھکے چھوٹ گئے اور جہاد کی فرضیت اور قتال کا حکم سننے کے بعد ان مسلمانوں کی جو حالت تھی اس کا ایک نقشہ سورہ محمد میں خدا نے اس طرح کھینچا ہے:-

''و یقول الذین آمنوا لولا انزلت سورة فاذا انزلت سورة محکمة و ذکر فیها القتال رایت الذین فی قلوبهم مرض ینظرون الیک نظر المغشی من الموت فاولیٰ لهم'' (محمد۔20)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں پہلے تو یہ کہتے تھے کہ (جہاد کے بارے میں) کوئی سورہ کیوں نازل نہیں کی گئی لیکن جب صاف صاف (حکم جہاد دینے والی) سورۃ اتاری گئی اور اس میں جہاد و قتال کا ذکر کیا گیا تو تم نے ان لوگوں کو کہ جن کے دلوں میں (کفار کی محبت کا) روگ ہے دیکھا کہ وہ تمہاری طرف اس نظر سے دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو، ان کے لئے خرابی ہے۔

اس آیت میں یقیناً پنجاب کے کسی سکھ سے خطاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی لوگ تھے جو جنگ بدر میں کچھ تو خوشی خوشی قربتہ الی اللہ اپنی آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے شریک ہوئے تھے اور کچھ بادل ناخواستہ ساتھ لگے چلے گئے انہیں خدا نے 'فی قلوبهم مرض' کی صفت سے موصوف کیا ہے۔ اور یہ مرض یا تو مال دنیا کی طلب اور خواہش کا تھا۔ یا کفار قریش سے محبت کا تھا جس کی وجہ سے وہ ان سے لڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ لوگ جنہیں منافق کہا جاتا ہے وہ ابھی ایمان ہی نہیں لائے تھے لہذا جنگ بدر میں کوئی منافق تھا ہی نہیں۔

خداوند تعالیٰ نے جہاد و قتال کو واجب قرار دینے کے ساتھ ہی اس محکم صورت میں جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے ہی ایک اور واضح دستور العمل بھی دیا جو یہ ہے کہ:۔

" فاذا لقیم الذین کفروا فضرب الرتاب حتیٰ اذا اثخنتموهم فشد الرقاب فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها " (محمد۔5)

پس جب تمہاری میدان جنگ میں کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کے ساتھ لڑتے ہوئے ان کی خوب گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب تم میدان جنگ میں لڑتے

ہوئے ان کو خوب قتل کر چکو اور لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے تو پھر کس کس کر ان کی مشکیں باندھ کر ان کو قیدی بنالو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر رہا کر دو۔

تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سورہ محمد کی آیت نمبر 4 اور سورہ انفال کی آیت نمبر 5 تا 7 جو آگے چل کر تحریر کی جائیں گی یہ کہتی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے حکم جہاد ملنے کے بعد گھر سے نکلے تھے پیغمبر کے گھر سے نکلنے کو خدا نے اپنے حکم سے نکلنا کہا ہے۔ مگر بعض مورخین نے بنی امیہ کے حکم سے گھڑی ہوئی روایات پر اعتماد کر کے یہ لکھ ڈالا کہ پیغمبر اکرم ابو سفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلے تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی نے اس الزام کو رد کرنے کے لئے اس طرح لکھا ہے:۔

عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کو لوٹنے کی غرض سے تھا۔ لیکن یہ امر محض غلط ہے قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہوسکتی اس میں جہاں اس واقعے کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں:

''کما اخرجک ربک من بیشک بالحق و انا فریقاً من المومنین لکارھون . یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت . و اذ بعدکم اللہ احدی الطائفتین وھم ینظرون انھا لکم و تودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم'' (الانفال 5 تا 7)

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر (مدینہ) سے سچائی کے ساتھ نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش تھا وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ سچی بات ظاہر ہوگئی۔ گویا کہ موت کے منہ میں ہانکے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور جبکہ خدا دو گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ:۔

نمبر 1: جب آنحضرت نے مدعینہ سے نکلنا چاہتا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ جانا ہے۔

نمبر 2: مدعینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غیر ذات (الشوکۃ) یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سرو سامان کے ساتھ نکل چکا تھا اس کے علاوہ ابو سفیان کے قافلہ میں 40 آدمی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے۔ تین سو آدمی 40 آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے اسی لئے اگر آنحضرت قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان ان کے مقابلہ کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔ (الفاروق شبلی نعمانی صفحہ 84-85)

یہ وہ بات تھی جس پر شبلی صاحب نے صحیح صحیح محاکمہ کیا ہے لیکن شبلی صاحب نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ جھوٹی روایت کیوں گھڑی گئی کہ آنحضرت ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے لئے نکلے تھے اور پیغمبر گرامی اسلامؐ پر جھوٹا اتہام کیوں لگایا گیا؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں جانے والے یہ مسلمان سب کے سب پیغمبرؐ کے بدری اصحاب کہلاتے ہیں چونکہ دونوں گروہوں کے آنے کی خبریں مل رہی تھیں اور بہت سے بدری اصحاب کی خواہش یہ تھی کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ان کے ہاتھ آجائے جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ: ''تودان ان غیر ذات الشوکۃ لکم''

یعنی یہ اصحاب پیغمبر تھے جو یہ چاہتے تھے کہ ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹا جائے۔ لہذا بدری اصحاب کو بچا کر پیغمبر اکرمؐ پر تہمت جڑ دی گئی۔ حالانکہ جب ان اصحاب پیغمبرؐ کو معلوم ہوا کہ حکم قتال صادر ہو گیا ہے اور پیغمبرؐ گھر سے لڑنے ہی کو نکلے ہیں اور پیغمبر اکرمؐ کے لئے یہ تچی بات بتلا دی تو انہوں نے قریش کے ساتھ لڑنے سے صرف اپنی ناراضی، ناخوشی اور

ناپسندیدگی کا ہی اظہار نہیں کیا بلکہ قرآن اس سے بھی بڑھ کر اس سے آگے کہتا ہے کہ سچی بات معلوم ہو جانے کے بعد ان بدری اصحاب نے پیغمبرؐ کے لیے ہی جھگڑنا شروع کر دیا۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں۔

"یجادلونک فی الحق بعد ما تبین"

یہ بدری اصحاب سچی بات معلوم ہو جانے کے بعد تجھ سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے۔

لیکن چونکہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی ایک روش یہ رہی ہے کہ ان حقائق کے مقابلہ میں جن سے اصحاب کی مذمت ثابت ہوتی ہو ایسی روایات وضع کرائی جائیں جن سے اصحاب پیغمبر تو بچے رہیں اور ان کے وہ تمام عیوب جو چھپائے نہ جاسکیں انہیں پیغمبر اکرمؐ کی گردن میں ڈال دیا جائے۔لہذا جو بات اصحاب پیغمبرؐ چاہتے تھے اسے پیغمبرؐ کے نام لگا دیا گیا۔اب ہر کسی کو اس بات کا اختیار ہے کہ خدا نے قرآن میں جو شہادت دی ہے اس کا یقین کرے یا بنی امیہ کی گھڑی ہوئی روایات پر اعتبار کر کے اسے مان لے۔

لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ کسی کی تعریف کرنی ہو یا بری بات پر مذمت۔وہ کسی کا نام لے کر نہ تو تعریف کرتا ہے۔نہ نام لے کر کسی کی مذمت کرتا ہے۔بلکہ ہر جگہ جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور مراد اس سے صرف وہی ہوتا ہے جس نے وہ کام کیا ہے۔

کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تمام کے تمام اصحاب پیغمبر لڑنے کے لئے تیار ہی نہ ہوں اور قریش کے ساتھ لڑنے کے خلاف پیغمبرؐ سے ہی لڑ جھگڑ رہے ہوں اور پیغمبرؐ پھر بھی میدان کا رخ کر لیں مگر اس سے بھی ہرگز ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قریش کے خلاف لڑنے سے کچھ لوگ گریزاں ضرور تھے۔

اگر صحیح مسلم میں ان کے نام نہ لکھے ہوتے تو اندازہ سے تو یہی کہا جا سکتا تھا کہ یہ وہی مہاجرین مکہ ہوں گے جن کے پہلے کفار قریش کے ساتھ نہایت اچھے تعلقات تھے لہذا وہ ان سے روبرو ہو کر لڑنا پسند نہیں کرتے ہوں گے۔ لیکن ایک واقعہ کے بیان میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔

چونکہ یہ کفر و اسلام کے درمیان پہلا معرکہ تھا مسلمان اسلحہ جنگ کے لحاظ سے کمزور اور کفار کی تعداد کے مقابلہ میں کم تھے۔ اس لئے پیغمبر اکرمؐ نے ضروری خیال کیا کہ انصار و مہاجرین کا عندیہ معلوم کریں کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے ان میں سے کچھ جواب حوصلہ شکن تھے اور کچھ حوصلہ افزا۔ صحیح مسلم میں دو بزرگ اصحاب پیغمبر کا نام لکھا ہے جن کے جواب پر آنحضرت نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ مقداد ابن اسودؓ نے پیغمبرؐ کے چہرے پر تکدر کے آثار دیکھے تو کہا: یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا:

''اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون''

یعنی اے موسیٰ تم جاؤ اور تمہارا خدا جائے اور تم دونوں ہی لڑو ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔

اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ کو خلعت رسالت پہنایا ہے ہم آپ کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں رہ کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت عطا کرے۔

اس جواب سے پیغمبرؐ کا تکدر جاتا رہا اور آپ نے مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ مقداد مہاجرین میں سے تھے۔ پھر آپ نے انصار کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ تم

لوگوں کی کیا رائے ہے ۔سعد ابن معاذ نے بڑی گرمجوشی سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور اطاعت کا عہد و پیان کیا ہے ۔لہذا ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ سمندر میں پھاندیں گےتو ہم آپ کے ساتھ پھاندیں گےاور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہ ہوگی آپ اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں ہم میں کی ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گی ۔پیغمبر اکرمؐ اس جواب سے انتہائی خوش ہوئے اور فرمایا:

''و الله الكافي انظر الى مصارع القوم ''(تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 14)

یعنی خدا کی قسم اب میں دشمن کے گر کر مرنے کی جگہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ابھی تک مدینہ میں وہ لوگ ایمان نہیں لائے تھے جنہیں منافقین کہا جاتا ہے ۔مدینہ میں ایمان لانے والے منافقین جنگ بدر کے بعد جنگ بدر کی فتح سے مرعوب ہوکر ایمان لائے تھے ۔بہر حال جنگ بدر میں ایسے اصحاب بھی تھے جن کا جواب مقداد ابن اسود کے جواب سے ہم آہنگ تھا اور ایسے اصحاب بھی تھے جن کی نمائندگی کرتے ہوئے سعد ابن معاذ نے جواب دیا جن کو سن کر آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے ۔لیکن ان ہی بدری اصحاب میں وہ بھی تھے جن کی شان میں قرآن یہ کہتا ہے کہ:۔

" فاذا انزلت سورة محكمة و ذكر فيها القتال رايت الذين في قلوبهم مرض ينظرون اليک نظر المغشي من الموت فاولىٰ لهم''

(سورہ محمد ۔20)

یعنی جب ایک محکم سورت نازل کی گئی اور اس میں قتال و جہاد کو فرض کیے جانے کا ذکر کیا گیا تو تم نے ان لوگوں کو دیکھ لیا جن کے دلوں میں روگ ہے وہ تمہاری طرف اس طرح سے دیکھتے ہیں جس طرح سے وہ دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو،ان کے لئے

خرابی ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ جنگ بدر میں جانے والے اصحاب میں سے کوئی پنجاب کا سکھ نہیں تھا بلکہ وہ سب کے سب مسلمان تھے اور اصحاب پیغمبر کہلاتے تھے البتہ خدا نے یہ کہا کہ ان کے دلوں میں مرض تھا۔ منافق ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ اسے مرض نفاق سمجھا جائے البتہ یہ مرض ان کے دلوں میں ان کافروں کی محبت کا ہو سکتا تھا جن کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں ان کے بہت اچھے تعلقات تھے لہذا وہ ان کے سامنے ہونا نہیں چاہتے تھے اس لئے وہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ جہاد کے لئے جانے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ تو قریش کے ساتھ لڑنے کو جا رہے ہیں تو انہوں نے نہ صرف اس بات کو پسند نہیں کیا بلکہ خود پیغمبر اکرمؐ سے لڑنے جھگڑنے لگ گئے اور یہ کوئی تاریخ روایت نہیں ہے جس کے جھوٹ اور سچ کا احتمال ہو بلکہ یہ قرآن کہتا ہے کہ:۔

یجادلونک فی الحق بعد ما تبین

وہ سچی بات معلوم ہونے کے بعد تجھ سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے اور سچی بات معلوم ہونے کے بعد ان کی حالت یہ ہو گئی تھی جیسا کہ موت کے منہ میں ہانکے جا رہے ہیں۔ مگر پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔ با دل نا خواستہ دوسرے اصحاب فدا کار کے ساتھ بدر کے میدان تک چلے گئے۔

جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور قریش کی طرف سے نامی گرامی افراد میدان میں نکل کر مبارز طلب ہوئے تو مسلمانوں کی طرف سے انصار نے سبقت کی لیکن کفار قریش نے ان سے لڑنا اپنی توہین سمجھا اور پیغمبر اکرمؐ کو آواز دی۔

اے محمدؐ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجئے۔

چنانچہ وہ انصاری اپنی صفوں میں واپس آ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ان کی جگہ اپنے عزیزوں میں سے عبیدہ بن حارث ،حمزہ بن عبدالمطلب اور علی ابن طالبؑ کو بھیجا ان کے پہنچتے ہی انفرادی جنگ کا آغاز ہوگیا اور حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علیؑ نے قریش کی طرف سے آئے ہوئے تینوں سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر چونکہ اس جنگ میں حضرت عبیدہ بن حارث زخمی ہو گئے تھے لہذا وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور میدان جنگ میں ہی جام شہادت نوش فرمایا۔ جنگ بدر میں یہ اسلام کے پہلے شہید تھے اس کے بعد کفار کی طرف سے جو بھی علم لے کر بڑھا وہ حضرت علیؑ کی تلوار سے زندہ بچ کر نہ گیا۔ کفار کی نامی گرامی شخصیتوں کے قتل ہو جانے کے بعد دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور فرادا جنگ کی بجائے ایک بارگی حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

یہ وہ موقع تھا کہ جب دشمن کی بڑھتی ہوئی یلغار کو دیکھ کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ احدیت میں یہ دعا کی:

''اللھم ان یھلک ھذا العصابة من اھل الاسلام لا تعبدفی الارض اللھم انجزلی ما وعدتنی'' (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 87)

''بارالہا اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا بارالہا اپنے وعدہ فتح ونصرت کو پورا کر''

پیغمبر اکرمؐ نے اس دعا کے بعد نیند کے ذرا سی جھپکی لی اور آنکھیں کھول کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اس نے میری دعا قبول کر لی اور ہماری امداد کے لئے فرشتے بھیج دیئے اور یہ فرمایا ہے کہ:

" اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین'' (الانفال ۔9)

جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کی اور جواب دیا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے جو پے درپے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا۔

یہ دعا پیغمبرؐ نے کی تھی اوران کو ہی بذریعہ وحی بشارت دی گئی۔لہذا بعض حضرات کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس آیت میں مومنین کی فریاد سننا اور فرشتوں کو امداد کے لئے بھیجنے کا وعدہ کیا گیا ہے کیونکہ فی الحقیقت یہ فریاد خود پیغمبرؐ نے کی تھی اور یہ وعدہ بھی انہیں سے کیا گیا تھا۔

بہر حال جب جنگ ختم ہوگئی اور قریش کے نامی گرامی سردار قتل ہوگئے اور دشمن شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا تو مال واسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔لہذا مسلمانوں نے ان کے ساتھ لڑتے ہوئے قتل کرنے کی بجائے انہیں پکڑ پکڑ کر اسیر کرنا شروع کر دیا تو سعد ابن معاذ نے آنحضرتؐ سے عرض کی۔

''یا رسول الله اول وقعه اوقعها الله بالمشركين كان الاثخان احب الي من الا ستغياء الرجال'' (تاریخ کامل جلد 3 صفحہ 86)

یارسول اللہ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ نے مشرکین کوشکست دلائی ان لوگوں کو گرفتار کرنے کی بجائے انہیں اچھی طرح سے کچل دینا مجھے زیادہ پسند تھا۔

کیونکہ جنگ سے پہلے اور جہاد فرض قرار دینے کے بعد جنگ کے قواعد وضوابط اور اسیروں کے لئے دستور العمل بتلایا جا چکا تھا کہ میدان میں جب دشمن سے مقابلہ ہوجائے تو جم کر لڑو اور لڑائی میں ثابت قدم رہو، پیٹھ نہ پھیراؤ جو پیٹھ پھیرائے گا وہ خدا کے غضب کا سزاوار ہوگا اور میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دشمن کا خوب خون بہاؤ اور جب جنگ ہتھیار ڈال دے تو دشمن کی مشکیں کس لو اور پھر چاہے تو احسان کر کے رہا کر دو یا فدیہ وصول کر کے چھوڑ دو۔

لہذا پیغمبرؐ نے اس دستور العمل اور حکم خداوندی کے مطابق کچھ اسیروں پر احسان

کر کے اور کچھ سے فدیہ لے کر رہا کر دیا ۔ پس اس سلسلے میں حکم خداوندی کے ہوتے ہوئے کسی سے رائے لینے کی ضرورت نہ تھی ۔ اور نہ ہی حکم خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے کسی عتاب کا سوال پیدا ہوتا تھا ۔ لیکن بعض اصحاب چونکہ کفار قریش سے لڑنے کے لئے جانا پسند نہیں کرتے تھے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور وہ سابق میں بیان ہو چکا ہے لہذا میدان جنگ میں ان کی کوئی کارگزاری نہ تھی ۔ اس لئے اسیران جنگ کے بارے میں فیصلہ کے سلسلہ میں ان کی کچھ کارگزاریاں دکھانے کے لئے ان کی رائے کا بیان گھڑا گیا ۔ مگر یہاں بھی اس صحابی کی رائے کو پیغمبرؐ کی رائے پر فوقیت دینے کے لئے ایک روایت گھڑی گئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس صحابی نے تو قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے دی تھی اور دوسرے صحابی نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے دی اور پیغمبرؐ نے اس رائے کو پسند کر کے قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا ۔ مگر خدا نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کو ناپسند کیا اور پیغمبرؐ کو عذاب کی تہدید کی اور جس صحابی نے قیدیوں کو قتل کرنے کی رائے دی تھی اس کو پسند فرمایا ۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں اس بات کو طبری کے صفحہ 355 کے حوالہ سے صفحہ 87 پر نقل کیا ہے ۔

اور محمد حسین ہیکل سابق وزیر معارف حکومت مصر نے اپنی کتاب ''حضرت عمر فاروق اعظم'' میں ان کی رائے کو لکھ کر انہیں ایک الہامی شخصیت ظاہر کیا ہے ۔ یعنی ان حضرت کا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ صاحب پیغمبر تو الہامی شخصیت نہیں تھے مگر اسیروں کو قتل کر دینے کی رائے دینے والے صحابی الہامی شخصیت تھے اور پیغمبر نے جو رائے قائم کی وہ ایسی تھی کہ خدا کو پیغمبر کے لئے عذاب کی تہدید کرنی پڑی اور قدرت کی نظر میں اس صحابی کی رائے درست تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے ۔

یہاں پر بھی اصحاب کے عیوب کو پیغمبرؐ کی گردن میں ڈال دیا گیا ۔ حالانکہ سورہ

الانفال کی آیت نمبر 68 میں عتاب کا رخ اصحاب کی طرف ہے جنہوں نے میدان جنگ میں جنگ کرتے ہوئے خونریزی کے ذریعہ دشمن کا صفایا کرنے کی بجائے مال دنیا کے لالچ میں انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔آیت کے الفاظ یہ ہیں:-

''ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض''

یعنی نبی کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ان کے لئے کسی کو قیدی بنایا جائے جب تک میدان جنگ میں لڑتے ہوئے خوب اچھی طرح سے خونریزی نہ کرلیں اور جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔مگر مسلمانوں نے یعنی اصحاب بدر میں سے کچھ نے مال دنیا کے لالچ میں مال غنیمت کو لوٹنا اور کافروں کو پکڑ پکڑ کر گرفتار کرنا شروع کر دیا اور اس بات کو آیت کے دوسرے حصہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے:-

''تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرہ''

''تم لوگ دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے''۔

اس روایت کے گھڑنے کا واضح مقصد یہ ہے کہ جن اصحاب نے جہاد کے واجب ہونے کا ناپسند کیا تھا۔جن اصحاب نے کفار سے جنگ کرنے کے لئے جانے سے کراہت کا اظہار کیا تھا جن اصحاب کو اس جنگ میں جاتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔جن اصحاب کی جنگ کا نام سن کر ایسی حالت ہوگئی جیسی کہ اس کی ہوتی ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو جو جنگ کا نام سن کر پیغمبرؐ سے ہی لڑنے جھگڑنے لگ گئے تھے اور ان کا نام صحیح مسلم نے واضح الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ وہ کون تھے چونکہ ان کے زمانہ جاہلیت میں کفار قریش کے ساتھ بہت ہی اچھے تعلقات تھے حتیٰ کہ کافران کے بغیر مکہ میں رہنا بے لطف، بے مزہ اور نا خوشگوار سمجھتے تھے۔لہذا ان اصحاب کو ان کے مقابلہ میں جانا مناسب معلوم نہ ہوا۔مگر ان کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے اور آیت کے

عذاب کے تہدیدی لہجے کا رخ جواُن اصحاب کی طرف تھا اسے موڑ کر پیغمبرؐ کی طرف کر دیا گیا کہ انہوں نے غلطی کی اور فدیہ لینے پر رضامند ہو گئے۔ حالانکہ آیت کا رخ اصحاب کی طرف ہے کہ تم نے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے دشمن کا اچھی طرح خون بہانے سے پہلے اسیر کیوں کرنا شروع کر دیا۔ یہ عذاب کی تہدید اس صحابی کا کہنا نہ مان کر قیدیوں کو قتل نہ کرنے کی وجہ سے نہ تھی معلوم نہیں یہ حضرات قیدیوں کو قتل کر دینے کی رائے میں کون سی فضیلت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ قیدیوں کو قتل کر دینا دنیا کا کوئی بھی شریف اور عقلمند انسان پسند نہیں کر سکتا۔ قیدیوں کو قتل کر دینے کا نہ تو قرآن میں کوئی حکم ہے نہ ہی کسی حدیث میں آیا اور نہ ہی کسی مہذب قوم میں یہ قانون ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور نہ ہی اسلام کا یہ شعار ہے اور سب سے پہلے اسلام نے ہی قیدیوں کے ساتھ برا سلوک کرنے کو حقوق انسانی کے خلاف قرار دیا ہے اور قرآن نے تو جنگ شروع کرنے سے پہلے ہی یہ دستور العمل دے دیا تھا کہ جب جنگ ختم ہو جائے تو دشمنوں کی کس کس کے مشکیں باندھ لو یعنی ان کو قید کر لو پھر یا تو احسان کر کے انہیں چھوڑ دو یا فدیہ لے کر انہیں رہا کر دو۔

مختصر یہ ہے کہ آیت کا عتاب اس بنا پر نہیں تھا کہ ان سے فدیہ لینے کی بجائے انہیں قتل کیوں نہ کیا۔ بلکہ وجہ عتاب یہ تھی کہ تم نے یعنی اصحاب نے میدان جنگ میں پوری طرح خونریزی سے پہلے انہیں اسیر کیوں کیا اور اب جبکہ انہیں اسیر کر کے مدینہ میں لایا جا چکا تھا تو سورہ محمد کی آیت نمبر 4 کی رو سے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دینا عین منشائے الٰہی اور حکم خداوندی کے مطابق تھا اور جتنا عرصہ وہ قید میں رہے ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا گیا کہ آج اقوام متحدہ کا منشور بھی اس کے مقابلہ میں صرف زبانی کلامی ہے پس جنگ بدر میں ان حضرات کا کردار جہاد کے واجب ہونے پر جہاد کو ناپسند کرنا تھا جہاد کے لئے جانے کو موت کے منہ میں جانا سمجھنا تھا۔ اور قیدیوں کے بارے میں بیان کردہ روایت کا کسی کی

فضیلت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی پیغمبر نے حکم خدا کی موجودگی میں کسی سے مشورہ لیا نہ کسی نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا اور نہ کسی نے قیدیوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا یہ صرف مذکورہ ناپسندیدہ افعال پر پردہ ڈالنے کے لئے اور ان کو چھپانے اور ان کے برسر اقتدار آنے کے بعد ان کو کسی طرح سے بچانے کے لئے یہ افسانہ گھڑا گیا۔ جنگ بدر کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن ہم صرف اتنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں اور اب جنگ احد کے بارے میں شہادت قرآن پیش کرتے ہیں۔

جنگ احد اور شہادت قرآن

قرآن کریم نے اس جنگ میں لڑنے والے جن اصحاب کی تعریف کی ہے ہم بھی ان کو قابل تعریف سمجھتے ہیں وہ اس تعریف کے قابل تھے مگر جنگ احد میں شرکت کرنے والے تمام اصحاب اس تعریف کے مستحق نہیں تھے۔

ہمیں جنگ احد کے تمام حالات تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں لہذا ہم صرف چیدہ چیدہ نکات بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اس جنگ میں کفار کا لشکر تین ہزار کی تعداد میں تھا۔ مسلمان اگر چہ ایک ہزار کی تعداد میں نکلے تھے لیکن عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین اپنے تین سو سواروں کو لے کر راستے سے ہی واپس ہو گیا۔ لہذا مسلمان صرف 700 کی تعداد میں رہ گئے۔

اس قلیل تعداد سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے آنحضرت نے کوہ احد کو اپنی پشت کی طرف رکھا اور مدینہ کو سامنے کے رخ پر تا کہ دشمن کو ہر سمت سے حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن بائیں جانب کوہ احد کے وسط میں ایک درہ تھا جس کی وجہ سے اس بات کا احتمال تھا کہ کہیں دشمن چکر کاٹ کر اس درہ کے ذریعہ لشکر اسلام کے پیچھے سے حملہ نہ کر دے

لہذا آنحضرت نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے تاکید کی کہ خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست جب تک اسے حکم نہ دیا جائے کسی حالت اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے۔ بخاری میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔

''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمیں ایک ایک کر کے لے جا رہے ہیں تو پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا جب تک کہ میں تمہیں اجازت نہ دوں۔ اور اگر تم یہ دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے تو بھی اس مقام پر جمے رہنا جب تک تمہیں میرا حکم نہ پہنچے۔

تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 431 بحوالہ بخاری

کوہ احد کے درہ میں تیر اندازوں کو کھڑا کرنے کے بعد آنحضرت نے اپنے بقیہ لشکر کی صف بندی کی۔ میمنہ پر سعد ابن عبادہ انصاری کو مقرر کیا اور میسرہ پر اسید ابن حضیر انصاری کو مقرر کر کے رایت جنگ حضرت علیؑ کو سپرد فرمایا۔

اس جنگ میں ابو دجانہ انصاری، حضرت حمزہ اور حضرت علی نے حملوں پر حملے کر کے دشمن کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔

حضرت علی دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کئے جا رہے تھے اور لشکر قریش میں سے جو بھی علم ہاتھوں میں لیتا اسے تہ تیغ کر دیتے یہاں تک کہ آپ نے آٹھ علمداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا اور اس طرح تمام پرچم داروں کا خاتمہ کر دیا۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ:

''کان الذی قتل اصحاب اللواء علی''

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 107)

یعنی جس نے تمام علمداران لشکر کو قتل کیا وہ علیؑ تھے۔

بالآخر اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اصحاب کی مال غنیمت کی محبت اور پیغمبر کی حکم

عدولی کے نتیجے میں جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی ۔جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے:

"ولقد صدقکم الله وعده اذ تحسونهم باذنه حتیٰ اذا فشلتم و تنازعتم في الامر و عصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون"

اور اللہ نے تو اپنا فتح کا وعدہ سچا کر دکھایا تھا اور جب تم کافروں کو خدا کے حکم سے قتل کئے جا رہے تھے ۔یہاں تک کہ جب تم نے ہی ہمت ہار دی اور کام میں جھگڑا کیا اور جب وہ تمہیں تمہاری خوشی کی چیز یعنی فتح دکھا چکا تھا تم نے ہی نافرمانی کی۔

قرآن کریم کے یہ الفاظ ۔اذا فشلتم و تنازعتم في الامر اصحاب پیغمبر کی شان میں ہی نازل ہوئے ہیں یہ پنجاب کے کسی سکھ کے بارے میں نہیں ہوئے مگر اس سے مراد صرف وہی اصحاب ہیں جو ان افعال کے مرتکب ہوئے ۔علمبرداران لشکر کے قتل ہو جانے کے بعد دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں نے جب کفار کو بھاگتے اور میدان خالی کرتے دیکھا تو ان پر حرص و طمع غالب آ گئی اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے ۔درہ کوہ کے محافظوں نے جب دوسروں کو مال غنیمت لوٹتے دیکھا تو ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا ۔عبداللہ ابن جبیر نے انہیں پیغمبرؐ کا حکم یاد دلایا مگر دس سے بھی کم آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی بات نہ سنی اور مال غنیمت میں لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے طبری لکھتے ہیں

" اجعلوا یقولون الغنیمة الغنیمة فقال عبدالله مهلا ما علم ما عهد الیکم رسول الله صلی الله علیه و سلم فابوا فانطلقوا"

تاریخ طبری جلد 2 ص 193

یعنی انہوں نے غنیمت غنیمت پکارنا شروع کر دیا اور عبداللہ نے کہا کہ ٹھہرو ۔کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے مگر انہوں نے لڑنے سے انکار

کر دیا اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے چل دیئے۔

خالد بن ولید نے درہ کوہ کو خالی دیکھ کر عقب سے حملہ کر دیا عبداللہ ابن جبیر نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر چند آدمی اس یلغار کو کیسے روک سکتے تھے آخر ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔

یہ چند اصحاب پیغمبر جنہوں نے درہ کو نہیں چھوڑا یقیناً قابل تعریف ہیں اور رہ خدا کے یہاں سے بہترین جزا پائیں گے لیکن جو اصحاب خدا کے حکم اور قرآن کے بتلائے ہوئے دستور العمل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مال غنیمت لوٹنے میں لگے رہے اور جو مال غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھ کر درہ کو چھوڑ کر چل دیئے اور رہ بھی مال غنیمت پر جا پڑے ان کے لئے کون سی فضیلت ہے اور کیا تعریف ہے اور رہ خدا کے یہاں کس بات کی جزا پائیں گے۔

بہر حال مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں لگے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے پسپا ہونے والی فوج اور دوسری طرف سے خالد بن ولید نے گھیرا ڈال دیا اس دوطرفہ یلغار نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی اور مسلمان حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

لیکن حضرت علیؑ نے ایک لحہ کے لئے بھی میدان نہ چھوڑا اور جان سے بے نیاز ہو کر دشمن کی صفوں پر حملے کرتے رہے اور تیر و تلوار کے وار سہتے رہے۔ اور دشمن کی فوج کو درھم و برہم کرتے ہوئے پیغمبر کے سینہ سپر رہے اور پورے ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن سے برسر پیکار رہے ابن سعد لکھتے ہیں کہ:

"وکان علي ممن ثبت مع رسول الله يوم احد حين انهزم الناس وبايعه على الموت" (طبقات ابن سعد جلد 3 صفحہ 23)

یعنی احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علی رسول اللہ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور آپ نے موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی تھی۔

اور تیروں تلواروں کے وار سے گھائل ہوجانے کے باوجود آپ کے قدم نہ ڈگمگائے علامہ سیوطی لکھتے ہیں:-

" اصابت علیا یوم احد ستة عشر ضربة "(تاریخ الخلفاء صفحہ 114)

یعنی احد کے دن حضرت علیؑ کو تلوار کی سولہ (16) ضربیں لگیں۔

حضرت علیؑ میدان جنگ میں کفار قریش کے ساتھ مصروف پیکار تھے کہ مشرکین نے پیغمبرؐ پر ہجوم کیا جس سے پیغمبر اکرمؐ بھی زخمی ہوگئے ان حملہ آوروں میں سے عبداللہ ابن حمید کو ابو دجانہ انصاری نے تہ تیغ کیا۔قبیلہ انصار کے چند آدمیوں نے پیغمبرؐ پر حملہ ہوتے دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر حائل ہوئے انصار کو دیکھ کر کفار پیچھے ہٹ گئے اور تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوکر تیر برسانے لگے۔ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبر اکرمؐ کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرت پر جھک گئے اور اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے۔آخر پیغمبر اکرمؐ کے قدموں میں شہید ہوکر جان دے دی۔

پیغمبر اکرمؐ کے قریب ہی مصعب ابن عمیر بھی دشمن کے حملوں کو روکنے میں مصروف تھے کہ ابن قیمیہ نے حملہ کر کے انہیں شہید کردیا اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے پیغمبرؐ کو قتل کردیا ہے۔چنانچہ اس نے اپنی صفوں کے قریب پہنچ کر فخریہ لہجے میں کہا کہ میں نے محمدؐ کو قتل کردیا ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے شور مچا دیا کہ:

" الا ان محمداً قد قتل "

یعنی محمدؐ قتل کردیئے گئے۔

اب آپ غور کریں اور انصاف کریں کہ کیا وہ اصحاب پیغمبر جو مال غنیمت لوٹنے

میں مصروف ہوگئے اوراس شکست کے ذمہ دار بنے اور کیا وہ اصحاب جو پیغمبرؐ کو میدان جنگ میں اکیلا چھوڑ کر فرار ہوگئے وہ بھی اس بات کے مستحق ہیں جس کے مستحق وہ اصحاب تھے جنہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور سرخرو ہو کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوئے۔

بہرحال مسلمان کچھ تو پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے جو باقی رہ گئے۔پیغمبر اکرمؐ کے قتل کی خبر سن کر عام بھگدڑ مچ گئی کچھ لوگ تو بھاگ کر احد پہاڑ پر چڑھ گئے اور کچھ نے مدینہ پہنچ کر دم لیا طبری لکھتے ہیں۔

''تفرق عنه اصحابه و دخل بعضم المدينة وانطلق بعضم فوق الجبل الى الصخرة فقاموا عليه وجعل رسول الله يدعواالناس الیٰ عباد الله الى عبادالله" تاریخ طبری جلد2 صفحہ 201

یعنی آنحضرت کے اصحاب آپ کو چھوڑ کر چلتے بنے ان میں سے کچھ تو مدینہ پہنچ گئے۔کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے اوراس پر ڈیرے ڈال دیئے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہیں پکارتے تھے اے خدا کے بندوں میرے پاس آؤ، اے خدا کے بندوں میرے پاس آؤ۔

یہ صرف تاریخ طبری ہی نہیں بلکہ قرآن مجید بھی پہاڑ پر چڑھنے والوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

''اذ تصعدون و تلون علیٰ احد والرسول يدعوكم في اخراكم "
(آل عمران۔153)

اس وقت کو یاد کرو جب تم پہاڑ پر چڑھے چلے جارہے تھے اور رسول پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے اور تم مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔

بہرحال طبری کا بیان قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہے۔اور طبری نے کوہ احد

کی چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ بن عبداللہ کا خصوصیت کے ساتھ نام لکھا ہے اور تفسیر وحدیث وتاریخ کی کتابوں میں خود حضرت عمر کا یہ بیان درج ہے کہ میں احد پہاڑ پر اس طرح سے چڑھا جیسا کہ پہاڑی بکری چڑھتی ہے۔

تفسیر نیشاپوری جلد 4 صفحہ 110

تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 108

تفسیر درمنثور سورہ آل عمران

مسند امام احمد حنبل جلد اول صفحہ 429 سطر 13

البدایہ والنہایہ ابن اثیر جذری صفحہ 140

کنزالعمال جلد اول صفحہ 438 حدیث نمبر 4301

روضۃ الصفا جلد دوم طبع بمبئی ص 91

روضۃ الاحباب جلد اول ص 201

علامہ شبلی نے اپنی کتاب الفاروق میں طبری کے حوالہ سے اس طرح لکھا ہے:

"علامہ طبری بسند متصل جس کے رواۃ حمید ابن سلمہ، محمد ابن اسحٰق۔ قاسم ابن عبدالرحمن ابن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر نے حضرت عمر اور طلحہ اور چند مہاجرین کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے جو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔

قاضی ابو یوسف نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گذرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ پر کیا گذری میں نے کہا میرا خیال ہے کہ

آپ شہید ہوئے ۔انس نے کہا کہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی ۔ابن ہشام میں لکھا ہے کہ انس نے اس واقعہ میں ستر زخم کھائے ۔ (الفاروق شبلی ص 91 دوسرا مدنی ایڈیشن 1970)

بہر حال طبری نے جہاں کوہ احد کی چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے حضرت عمر اور طلحہ کا نام لکھا ہے وہاں ان کی گفتگو بھی درج کی ہے جس سے ان کے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

" قال بعض اصحاب الصخرة لیت لنا رسولا الیٰ عبدالله ابن ابی قیاخذ لنا امنة من ابی سفیان یا قوم ان محمداً قد قتل فارجعوا الی قومکم قبل ان یاتو کم فیقتلو کم " تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 201

یعنی چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ ابن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابوسفیان سے امان کی درخواست کرتا ۔اے لوگوں محمد تو قتل ہو گئے اب تم اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو ۔قبل اس کے کہ وہ آئیں اور ہمیں قتل کر دیں ۔

تاریخ طبری والا یہ بیان ترجمہ تاریخ کامل جلد 6 صفحہ 248 پر بھی لکھا ہوا ہے اور تاریخ طبری اور تاریخ کامل کی مذکورہ عبارت سے بھی یہ بات تو واضح طور پر ثابت ہے کہ کہ یہ کہنے والا قوم قریش سے ہے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب مسند میں ان کے نام واضح طور پر اس طرح لکھے ہیں۔

"ان الشیخین هر با یوم احد و رجع عمر یشف دموعه و یسئلو علیا العفو ۔ فقال الست المنادی قتل محمد فارجععوا الی دینکم فقال

انها قال ابو بکر "   (مسند امام احمد بن حنبل)

یعنی اس میں شک نہیں کہ حضرات شیخین جنگ احد میں بھاگ گئے ۔پھر عمر آنسو پونچھتے ہوئے واپس آئے اور حضرت علیؑ سے معافی کے خواستگار ہوئے ۔آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ ندا نہیں دی تھی کہ محمدؐ قتل ہو گئے لہذا اے لوگو تم اپنے سابقہ دین کی طرف لوٹ جاؤ حضرت عمر کہنے لگے کہ یہ بات تو ابو بکر نے کہی تھی ۔

یہ بات صرف تاریخ وحدیث کی کتابوں میں ہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے بھی اپنے انداز میں یہی بات کہی ہے ارشاد رب العزت ہے:

"ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الر سل افان مات ا و قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا "

(آل عمران ۔144)

یعنی نہیں ہیں محمد مگر رسول ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تو تم اپنے پچھلے پاؤں پر پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنے پچھلے پاؤں پر پلٹ جائیگا تو وہ خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا بلکہ وہ خود اپنی ہی عاقبت خراب کرے گا۔

قرآن کریم کی آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر 144 واضح الفاظ میں یہ کہہ رہی ہے کہ کسی نے یہ کہا تھا کہ محمد تو قتل ہو گئے اے قوم تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ۔اور حدیث وتاریخ کی مستند کتابیں یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ بات حضرت عمر نے کہی تھی ورنہ احد پہاڑ کی چوٹی پر پنجاب کا کوئی سکھ نہیں بیٹھا تھا۔وہی اصحاب تھے جن کا نام حدیث و تاریخ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اور سورہ آل عمران کی ہی ایک آیت میں ان اصحاب کی خدا کے بارے میں بدظنی کا ان الفاظ میں بیان آیا ہے۔

''و طائفة اهمتهم انفسهم يظنون بالله غير الحق ظن الجاهلية''

(آل عمران 154)

''اوران میں سے ایک گروہ ایسا تھا جن کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور وہ خدا کے بارے میں ایام جاہلیت (یعنی زمانہ کفر کی سی) باتیں کر رہے تھے''

سورہ آل عمران کی اس آیت میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:۔

''ولیبتلی الله مافی صدورکم ولیمحص مافی قلوبکم والله علیم بذات الصدور'' (آل عمران ۔154)

اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے (اور اس طرح تمہارے دلوں کی باتیں ظاہر ہو جائیں) اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ خالص ہو کر سامنے آجائے ۔اور خدا تو دلوں کی باتوں سے اور حالات سے آگاہ ہی ہے ۔یعنی اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اس جنگ میں جو کچھ لوگوں کے دلوں میں تھا وہ ظاہر ہو گیا اور یہ دل کی بات ہی تو ہے اور یہ دل کی بات ہی تھی جو تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 201 کے حوالہ سے گذشتہ اوراق میں نقل ہو چکی ہے اور اس جنگ نے یہ فیصلہ دیا کہ بعض اصحاب پیغمبر دنیا کی طلب کے لئے اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور قرآن نے ان کے لئے برملا یہ کہا ہے کہ

''منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید لاخرة'' (آل عمران)

تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا کے طلبگار ہیں اور ان کے یہ کہنے سے کہ محمد تو قتل ہو گئے اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ وہ دین اسلام کو دین حق اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سچا نبی سمجھ کر اسلام نہیں لائے تھے ۔بلکہ مال دنیا کی طلب میں اسلام سے وابستہ ہوئے تھے اور جب دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو زندہ ہیں پھر اظہار ندامت کر کے ساتھ ہو گئے اور دنیا کی طلب دل میں چھپائے ہوئے اسلام سے

وابستہ ہو گئے۔اس جنگ میں ستر اصحاب پیغمبرؐ شہید ہوئے جن میں سے تین خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی عزیز تھے باقی 67 شہید انصار مدینہ میں سے تھے لیکن ایک دو کے سوا پیغمبر کی قوم کے تمام افراد یعنی مہاجرین قریش سب کے سب میدان سے فرار کر گئے کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے کچھ مدینہ پہنچ گئے اور کچھ بہت ہی دور نکل گئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد جب بھاگے ہوئے اصحاب بھی لوٹ آئے تو پیغمبران کے ہمراہ شہدائے احد کی لاشوں پر پہنچے تو پیغمبر کو ان شہداء کی شہادت پر بہت غم اور صدمہ ہوا چنانچہ جب آنحضرت حمزہ کے لاشے پر پہنچے اور ان کے کٹے پھٹے اعضاء پر نظر ڈالی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

ابن مسعود لکھتے ہیں:

''ما رائنا رسول الله صلى الله عليه باكياً اشد بكاته علىٰ حمزه رضى الله عنه'' سیرۃ حلبیہ جلد 3 ص 273

یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا شدت کے ساتھ روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنا شدت کے ساتھ حضرت حمزہ پر روتے ہوئے دیکھا۔

اس کے بعد آپ دوسرے شہداء کی لاشوں کے پاس پہنچے اور ان کے دنیا سے با ایمان رخصت ہونے اور جنتی ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں فضل الشهدا في سبيل الله کے باب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

" ان رسول الله قال لشهداء احد هولاء اشهد عليهم .فقال ابو بكر يارسول الله السنا باخوانهم اسلمنا كما اسلموا و جاهدنا كما جاهدوا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم . بلىٰ . ولا ادرى ما تحدثون بعدى " (موطا امام مالک مطبع فاروق دہلی ص 173)

یعنی بالتحقیق رسول اللہ نے شہدائے احد کے بارے میں فرمایا کہ میں ان کے ایمان کی اور ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتا ہوں تو حضرت ابو بکر نے عرض کی یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں ۔جس طرح سے وہ اسلام لائے اسی طرح سے ہم بھی اسلام لائے ۔جس طرح سے انہوں نے جہاد کیا۔اسی طرح سے ہم نے جہاد کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۔لیکن میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث یعنی بد عنوانیاں اور دین میں کیا کیا بدعتیں جاری کرو گے۔

اس بات کو امام واقدی نے بھی اپنی کتاب المغازی میں غزوہ احد کے باب میں بیان کیا ہے اور انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ آنحضرت نے حضرت ابو بکر کے جواب میں فرمایا:

"ولا ادری ماتحدثون بعدی فبکی ابو بکر بکاءً شدیداً فقال ء انا لکائنون بعدک" (کتاب المغازی واقدی بابت غزوہ احد ص 102)

یعنی آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر کے جواب میں فرمایا کہ تم میرے بعد کیا کیا احداث اور کیا کیا بدعتیں ایجاد کرو گے ۔پس حضرت ابو بکر بہت شدت سے روئے اور کہا کہ کیا ہم آپ کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب جذب القلوب میں صفحہ 283 پر اس بات کو نقل کیا ہے۔

بہر حال وہ آیات قرآن جو اصحاب پیغمبر کے فضائل کے عنوان سے بیان ہوئی ہیں وہ ان ہی اصحاب کی شان میں ہیں جنہوں نے استقامت دکھائی ۔جو ثابت قدم رہے، زخمی ہوئے یا شہید ہوئے اور جن کے ایمان اور جنتی ہونے کی پیغمبر اکرمؐ نے گواہی دی لیکن بھاگنے والوں کی شان میں وہ آیات ہیں جو بھاگنے والوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

غزوہ خندق اور شہادت قرآن

غزوہ خندق کو غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اس جنگ میں تمام گروہ کفر جمع ہوکر اسلام اور تمام اہل ایمان کو ختم کرنے کے لئے مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے جس کو دیکھ کر بہت سے اصحاب پیغمبر خوف زدہ ہوئے ۔ کفار اسلحہ اور تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ تھے اور مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لشکر کفر کو دیکھ کر جو حالت مسلمانوں کی ہوئی اسے قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

''اذ جاء کم من فوقکم و من اسفل منکم و اذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا و ھنالک ابتلی المومنون و زلزلوا زلزالا شدیداً'' (الاحزاب 10-11)

اس وقت کو یاد کرو جب وہ (کفار) تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آپڑے اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں ۔ اور دل کھنچ کر گلوں میں آ گئے اور تم خدا پر طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے یہی وقت تھا جبکہ ایمان والوں کو آزمائش میں ڈالا گیا اور انہیں بڑی سختی کے ساتھ جھنجوڑا گیا ۔

ایسے وقت میں کمزور دل لوگوں کو گھبرا جانا یا ڈر کی وجہ سے آنکھوں کا پتھرا جانا یا دلوں کا کھنچ کر گلے میں آ جانا کمزوردلوں کے لئے یقینی طور پر ایک معمول کی بات تھی لیکن خدا جو علیم بذات الصدور ہے یہ کہہ رہا ہے:

" و تظنون باللہ الظنونا "

''یعنی ایمان لانے والوں میں سے بہت سے ایسے تھے جو خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے''

قرآن کسی کا نام لے کر کسی کی مذمت نہیں کرتا۔ہوسکتا ہے کوئی یہ کہے کہ "

تظنون بالله الظنونا '

کسی منافق کے لئے کہا ہوگا لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ معتب ابن قشیر نے جو بدری صحابی تھے یہ تک کہ دیا تھا کہ "**کان محمد بعدنا ان ناکل کنوز کسریٰ و قیصر واحدنا الیوم لا یامن علیٰ نفسه ان یذهب الغائط** "

سیرۃ ابن ہشام جلد 2 ص 233

یعنی محمدؐ تو ہم سے یہ وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ وقیصر کے خزانوں پر ہاتھ صاف کریں گے۔اور آج ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے جانا چاہے تو وہ اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتا۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے یہ بدگمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کی تھی اور یہ بدظنی اس بات کے لئے تھے کہ پیغمبر نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا پیغمبرؐ سے اسی بدظنی اور بدگمانی کو خدا نے "تظنون بالله الظنونا '' کہا ہے یعنی خدا نے پیغمبرؐ سے بدظن اور بدگمان ہونے کو خود اپنے سے بدظن اور بدگمان ہونا قرار دیا ہے۔لیکن سب ہی مسلمان ایسے نہیں تھے بلکہ کچھ مومنین کی خدا نے اس طرح سے تعریف کی ہے۔

"**قال الله تعالیٰ و لما رای المومنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله و رسوله و صدق الله و رسول وما زادهم الا ایمانا و تسلیماً** "

(الاحزاب 21)

اور جب مومنوں نے کفار کے لشکر دیکھے تو کہا یہ تو وہی ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے وعدہ دیا اور سچ فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اور لشکر کفر کو دیکھ کر ان کا ایمان اور بھی زیادہ ہوگیا اور ان کی اطاعت شعاری،فرمانبرداری میں اضافہ ہی ہوا

بہر حال وہ بھی اصحاب پیغمبر ہی تھے جن کے دلوں کا حال سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 10 میں کیا گیا ہے اور وہ بھی اصحاب پیغمبر ہی تھے جن کی دلی کیفیت اور اطاعت کا حال سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 21 میں ہوا ہے۔ اور یہ دونوں قسم کے اصحاب کسی بھی رتبہ، مرتبہ، درجہ اور عزت واحترام میں برابر نہیں ہو سکتے۔ ہر ایک کے حصہ میں وہی آئیگا جو اس نے کیا ہے۔

جنگ خندق میں کفار کے ساتھ ایک اکیلا عمرابن عبدود ہی ایک ہزار پہلوانوں کے برابر تھا۔ چنانچہ حسین دیار بکری نے اپنی تاریخ خمیس میں عمرابن عبدود کی مبارزطلبی کے وقت اصحاب کا حال اس طرح لکھا ہے:

''فلما كان يوم الخندق خرج مسلحا ليرى مكانه فجال و طلب المبارزة والاصحاب ساكنون كانها علىٰ روسهم الطير لانهم يعلمون شجاعته'' تاریخ الخمیس الجزءالاول ص 547-548

یعنی جب خندق والے دن عمرابن عبدود فوج میں سے جوش وخروش کے ساتھ نکلا تاکہ اپنی شجاعت کا درجہ لوگوں کو دکھائے۔ وہ گھوڑے کو جولان کر کے مبارزطلب کرنے لگا۔ اور اصحاب پیغمبر کی حالت یہ تھی کہ وہ ڈر کے مارے خاموشی سے سہمے ہوئے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے کیونکہ وہ اس کی شجاعت سے واقف تھے۔

یہ بات تاریخ وحدیث کی اکثر کتابوں میں مثل تاریخ کامل، کنزل العمال، مستدرک حاکم، حبیب السیر، سیرۃ حلبیہ، حیواۃ الحیوان وغیرہ میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ مگر اصحاب پیغمبر کی جو تصویر اور جو نقشہ اس موقع کے لئے قرآن نے کھینچا ہے وہ تاریخوں اور حدیث کی کتابوں سے زیادہ اصحاب پیغمبر کی صحیح تصویر کشی کر رہا ہے جو اس طرح ہے:

''فاذا جاء الخوف رايتهم اليک تدور اعينهم كالذی يغشی

علیہ من الموت ''

یعنی جس وقت خوف کا وہ موقع آیا تو اے پیغمبرؐ تم نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں اس طرح گھوم رہی ہیں جیسے کہ ان پر موت کی بیہوشی طاری ہو۔

بہر حال عمر ابن عبدو د مبارز طلب کر رہا تھا اور پیغمبر فرما رہے تھے کہ کون ہے جو اس کتے کا جواب دے ۔مجمع اصحاب میں سناٹا تھا اور تاریخ خمیس کے مطابق اصحاب کا یہ حال تھا جیسا کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے ۔مجمع اصحاب میں سے صرف ایک حضرت علیؑ تھے جو یہ کہتے تھے کہ ''انا له یا نبی الله ''اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا ۔پھر جس شان سے پیغمبر نے حضرت علی کو میدان جنگ میں بھیجا وہ تاریخوں میں اور حدیث کی کتابوں میں مرقوم ہے ۔حتیٰ کہ فاضل روز بھان نے بھی اپنی کتاب کشف الغمہ میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے ۔

''قال النبی صلی الله علیه وسلم برز ایمان کله الیٰ الکفر کله "

کشف الغمہ ۔حیواۃ الحیوان ۔تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ 112

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان مجسم کل کے کل کفر مجسم کے مقابلہ میں جا رہا ہے ۔

ہمیں جنگ کے تمام حالات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس جنگ میں کفار کے چار جنگجو بہادر مارے گئے یعنی عمر ابن عبدو د جو ایک ہزار پہلوانوں کے مقابل سمجھا جاتا تھا اور اس کا بیٹا عسل بن عمر اور نوفل بن عبداللہ تو حضرت علی کی تیغ شرر بار سے مارے گئے اور ایک بھاگتے ہوئے کسی کا تیر کھا کر گھائل ہو گیا اور مکہ جا کر مر گیا اور باقی نے بھاگ کر جان بچائی اور اپنے لشکر میں واپس پہنچ کر ان کی جان میں جان آئی ۔

جب حضرت علیؑ کفر و اسلام کا یہ معرکہ سر کر کے پیغمبر گرامی اسلام کی خدمت میں

باریاب ہوئے تو آنحضرت نے انہیں سینہ سے لگایا اوران کی اس عظیم خدمت کااعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

" ضربة علي يوم الخندق افضل من عبادة الثقلين "

مستدرک حاکم جلد3ص 32

یعنی خندق کےدن علی کی ایک ضربت ثقلین یعنی جن وانس کی عبادت سےافضل ہے

اوراکثر مورخین اورمحدثین نے حضرت علیؑ کی خندق کے جنگ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

"قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم لمبارزة علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الیٰ یوم القیامة"

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روز خندق علی کا عمرابن عبدود کے ساتھ جنگ کرنا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سےافضل ہے۔

مستدرک الحاکم جزو3 کتاب المغازی ص32

مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد2 ص234

معارج النبوۃ ملامعین رکن چہارم باب ششم ص108

ینابیع المودۃ شیخ سلمان قندوزی ص64۔127۔132

نزل الابرارمرزامعتمد خان ص19

تاریخ حبیب السیر جزءسوم ص47

سیرۃ حلبیہ الجزءالثانی ص341

بہرحال ان چند سورماؤں کے مارے جانے اورباقی کے پسپا ہوجانے سے کفار کی ہمتیں پست ہوگئیں اوروہ واپس اپنی لشکر گاہ میں لوٹ گئے ۔قرآن کریم میں اس بارے

میں یوں آیا ہے:

"و رد الـذین کـفروا بغیظھم لم ینالوا خیرا و کفیٰ الله المومنین القتال و کان الله قویاً عزیزا ً" الاحزاب ۔25

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کوان کے غصہ کی حالت میں لوٹا دیا۔وہ کچھ بھی بھلائی اور کامیابی حاصل نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کولڑائی میں کفایت کی اور اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔

غور طلب بات اس آیت میں یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی لڑائی میں کفایت کس طرح فرمائی ۔کیابغیر لڑے ہی کفایت فرمائی یا کچھ لڑائی ہوئی اور اسے ہی کافی بنا دیا۔تو تاریخیں بتلاتی ہیں کہ لڑائی تو ہوئی اور حضرت علی کے ذریعہ لشکر کفر کے سورماؤں اور نامی گرامی پہلوانوں کو قتل کرا کے اور لشکر کے حوصلے پست کرا کے مومنین کولڑائی میں کفایت فرمائی اور وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے لشکر میں پہنچ کر باقیوں کی جان میں جان آئی۔

دوسرے ایک غیبی امداد کے ذریعہ کفایت کی وہ اس طرح کہ جب عمر ابن عبدود اور اس کے ساتھی حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر میں پہنچ گئے تو انہیں ایک زبردست بادوباراں نے آلیا۔جس سے کفار کے خیمے تک اکھڑ گئے اور وہ بلا کی سردی میں ٹھٹھرنے لگے اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اس کا حال یوں بیان کیا ہے:۔

"یـا ایھـا الـذین آمنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذا جاء کم جنوداً فارسلنا علیھم ریحاً و جنوداً لم تروھا " (الاحزاب ۔9)

اے ایمان والوں اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جس وقت تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے

تو ہم نے ان پر ہوا کا طوفان اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہیں دیکھا۔

عمر ابن عبدوداور اس کے بیٹے عسل ابن عمرو اور نوفل ابن عبداللہ کے قتل ہو جانے کے بعد جب عمر ابن عبدود کے باقی ساتھی فرار کر کے اپنے لشکر گاہ میں پہنچ گئے تو پیغمبر اکرمؐ نے رات کو اپنے اصحاب میں سے بعض کو کفار کے لشکر کی خبر لانے کے لئے کہا: جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور و معروف تفسیر الدر المنثور میں اس کا حال اس طرح لکھا ہے:-

" اخرج الفریابی و ابن عساکر عن ابراھیم التمیمی عن ابیه قال قال رجل لو ادرکت رسول الله صلعم تحملت و لفعلت فقال حذیفه رابنی لیلة البارحة ماقبله و مابعده برداً کان اشد منه فحانث منی التفاته فقال الا رجل یذهب الیٰ هو لاء فیاتینا بخبرهم جعله الله معی یوم القیامة قال فما قام منا انسان قال فسکتوا ، ثم عاد ثم فسکتوا ثم قال یا ابو بکر فقال استغفر الله و رسوله فقال ان شئت ذهبت فقال صلعم یا عمر فقال استغفر الله و رسوله ثم قال یا حذیفه فقلت لبیک فقمت حتیٰ اتیت و ان جنبی یضربان من البرد فمسح راسی وجهی ثم قال اذهب انت هولاء القوم حتی تاتینا بخبرهم ولا تحدث حدثاً حتی ترجع ثم قال اللهم احفظة من یبین یدیه و من خلفه و عن یمنیه و عن شماله و من تحته حتیٰ یرجع "

تفسیر الدر المنثو ر السیوطی جلد 5 ص 185

امام فریابی اور ابن عساکر نے ابراہیم تمیمی سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ ایک شخص نے حذیفہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہؐ کو پاتا تو ان کی خدمت کرتا۔ حذیفہ نے کہا میں شب احزاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضرت نماز شب نہایت جاڑے میں پڑھ رہے تھے کہ اتنی سخت سردی نہ اس سے پہلے کبھی

پڑی تھی اور نہ بعد میں کبھی پڑی۔ آنحضرت ہم لوگوں کی طرف ملتفت ہوئے اور فرمایا کہ کوئی ایسا آدمی ہے جو ان لوگوں کے پاس جا کر ان کے لشکر کی خبر ہمارے پاس لائے خدا اس کو قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ داخل کرے گا۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا فرمان سن کر ہم میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ پیغمبرؐ نے پھر اپنی بات دہرائی مگر سب خاموش رہے پیغمبرؐ نے پھر اسی طرح فرمایا مگر پھر بھی سب ساکت و دم بخود رہے۔ اس کے بعد آپؐ نے ابو بکر سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ وہ معاف فرمایئے کہہ کر رہ گئے۔ حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر تم چلے جاؤ وہ بھی معاف فرمایئے کہہ کر رہ گئے اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اے حذیفہ تم چلے جاؤ تو میں نے کہا لبیک اور کھڑا ہو کر حاضر خدمت ہو گیا اور اس وقت سردی اس شدت کی تھی کہ میرے دونوں پہلو سردی سے لرز رہے تھے حضرت نے میرے سر اور چہرہ پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا اس قوم کی طرف جاؤ اور ان کی خبر لاؤ مگر واپس تک کوئی نیا کام نہ کرنا اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی کہ بارالہا جب تک یہ لوٹ کر آئے اس کے آگے سے اس کے پیچھے سے اس کے دائیں سے اس کے بائیں سے اس کے اوپر سے اس کے نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔ اس کے بعد حذیفہ کہتے ہیں:

''قال فلان یکون ارسلها کان احب الی من الدنیا و ما فیها . قال فانطلقت فاخذت امشی نحوهم کانی امشی فی حمام قال فوجدتهم ریحاً قطعت اطنابهم و ابنیتهم ذهبت بخیولهم و لم تدع شیئا الا اهلکته و ابو سفیان قاعد یصطلی عندنار له قال فنظرت الیه فاذکت سهماً فوضعته فی کبد قوی قال و کان حذیفه رامیاً فذکرت قول رسول الله صعلم لا تحدثن حدثاحتیٰ ترجع قال فرددت سهمی فی کنانتی''

تفسیر درالمنثور جلد 5 ص 185

اس آدمی نے (جس نے یہ کہا تھا کہ اگر میں رسول اللہ کو پاتا تو ان کی خدمت کرتا) کہا کہ اگر مجھے بھیجتے تو یہ بات میرے لئے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہوتی ۔حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے دعا دینے کے بعد میں کفار کے لشکر گاہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اب آنحضرتؐ کی دعا کی برکت سے مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ میں گرم حمام میں چل رہا ہوں جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ان پر ایسی آندھی آئی ہے جس سے ان کے خیموں کی طنابیں و میخیں اکھڑ گئی ہیں ان کے گھوڑے بھاگ گئے ہیں اور کل چیزیں تباہ و برباد ہو گئی ہیں اور ابو سفیان کھڑا ہوا آگ تاپ رہا ہے حذیفہ بڑے نشانہ باز تھے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سفیان کی طرف دیکھا ۔تیر کو ترکش سے نکالا اور اس کو نشانہ پر مارنے کے لئے کمان میں جوڑا مگر مجھے رسول اللہ صلعم کا ارشاد یاد آ گیا کہ اپنی واپسی تک کوئی نیا کام نہ کر بیٹھنا ۔حذیفہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کا ارشاد یاد آتے ہی میں نے تیر کو واپس بغل میں رکھ لیا اور میں نے واپس آ کر آنحضرتؐ کو صورتحال سے آگاہ کیا۔اس کے بعد حذیفہ کہتے ہیں کہ:

" فلما اصبحوا هزم الله الاحزاب وهو قوله " فارسلنا عليهم ريحاً و جنوداً " (تفسیر درالمنثور جلد 5 ص 185)

پھر جب صبح ہوئی تو وہ لشکر بھاگ گیا اس کی طرف آیہ کریمہ فارسلنا عليهم ريحاً و جنوداًلم تروها '(یعنی ہم نے ان پر ہوائے تند اور ایسا لشکر بھیجا جس کو تم نے نہ دیکھا) میں اشارہ کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شجاع اور بہادر لوگوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے میدان میں جانا ہر کسی کا کام نہیں ہے ۔ بلکہ یہ کام شجاع اور بہادر لوگ ہی انجام دیتے ہیں لیکن عمر ابن عبدود اور عسل ابن عمر و اور نوفل ابن عبداللہ جیسے شجاعان عرب کے حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ آنحضرتؐ کی

دعاؤں کے سائے تلے دشمن کے لشکر گاہ کی خبر لینے کے لئے جانا ایسا کام نہیں تھا جس کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم وفرمان کو ماننے سے انکار کیا جائے اور پھر ایسی حالت میں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ جو کوئی دشمن کے لشکر کی خبر لاکر دے گا وہ قیامت کے دن جنت میں میرے ساتھ ہوگا اس کے باوجود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر خاص طور پر نام لے کر حکم دینے کے باوجود جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یا تو انہیں روز آخرت یعنی قیامت کا یقین ہی نہیں تھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نہیں سمجھتے تھے۔ یا جنت ودوزخ پر ایمان ہی نہ رکھتے تھے یا اپنے دنیاوی منصوبوں کے لئے کوئی رسک لینے کے لئے تیار ہی نہیں جس میں جان کو کسی بھی قسم کا خطرہ کا خیال ہوا اور یہ سب باتیں بحیثیت مجموعی بھی ہو سکتی ہیں۔

لیکن حضرت حذیفہ سے جب وہی کام کہا گیا تو انہوں نے فوراً لبیک کہا اور آنحضرتؐ کی دعاؤں کے سائے تلے روانہ ہو گئے۔ اور آنحضرت کے حکم کی اتنی پاسداری کی کہ تیر کمان میں جوڑ کر جب آنحضرت کا حکم یاد آیا تو تیر کمان سے نکال کر واپس رکھ لیا۔ تاکہ آنحضرتؐ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو اور دشمن کے لشکر گاہ کی جو حالت دیکھی تھی وہ آکر بیان کر دی یقیناً ایسے اصحاب پیغمبر قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے لائق ہیں جنہوں نے وہ لائق قدر کام کیا اور قرآن وحدیث وتاریخ نے بھی انہیں کی تعریف کی ہے نہ کی ان کی جن کی حالت لشکر کفر کو دیکھ کر ایسی ہو گئی جیسے کہ ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہو۔ یا جن کی حالت ایسی ہو گئی ہو جیسا کہ اس کی ہوتی ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو اور جو ایسے مقام پر بھی جانے سے انکار کر دے جہاں دشمن سے مقابلہ کی کوئی بات نہ ہو۔ اور پیغمبرؐ اسے قیامت کے دن اپنے ساتھ جنت میں رہنے کی بشارت بھی دے رہے ہوں اور اس کا نام بھی واضح طور پر لیا ہو۔

پس قرآن میں تعریف والی آیات ان ہی کی شان میں ہیں جنہوں نے وہ قابل تعریف کام کیا ہے اور مذمت والی آیات بھی ان ہی کی شان میں ہیں جنہوں نے وہ قابل مذمت کام کیا ہو۔ نہ تعریف والی آیات کو ان پر چپکایا جاسکتا ہے جنہوں نے وہ تعریف والا کام کیا ہی نہ ہو اور نہ ہی مذمت والی آیات ان سے منسوب کی جاسکتی ہیں جو اس قابل مذمت کام کے مرتکب نہیں ہوئے۔

صلح حدیبیہ اور شہادت قرآن

پیغمبر اکرمؐ سن 7 ہجری کے آخر میں عمرہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اعلان عام کے باوجود اس سفر میں 1300 یا 1500 مسلمان شریک ہوئے لیکن کفار قریش عمرہ کرنے میں مانع ہوئے پیغمبرؐ نے فراش ابن امیہ خزاعی کو قریش کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ عمرہ بجالا کر واپس چلے جائیں گے مگر قریش نے ان کی بات نہ مانی پھر آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو جانے کا حکم دیا کہ وہ جا کر قریش کو سمجھائیں کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے آئے ہیں مگر حضرت عمر نے جس طرح جنگ خندق میں صرف لشکر کفار کے حالات معلوم کرنے کے لئے جانے سے معذرت کر لی تھی اسی طرح اب بھی معذرت کر لی اور اپنی جان کے خطرے کا عذر پیش کر کے حضرت عثمان کا نام تجویز کیا کہ وہ مجھ سے زیادہ با اثر ہیں۔ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 138)

حضرت عمر کے معذرت کر لینے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے حضرت عثمان کو دس مہاجرین کے ہمراہ قریش کے پاس سفارت کے لئے روانہ کیا ان لوگوں نے قریش کو پیغمبرؐ کا پیغام پہنچایا مگر قریش نے ان کی بات نہ مانی۔ اور انہیں اپنے پاس روک لیا۔ ان لوگوں کے مکہ روک لئے جانے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان اور دوسرے

مہاجرین قتل کردیئے گئے ہیں اس افواہ کے پر مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی اور کہنے لگے کہ ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں جائیں گے۔اگر چہ پیغمبرؐ کو مسلمانوں سے اس موقع پر بیعت لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مسلمانوں پر ہر صورت میں پیغمبر کی اطاعت واجب تھی اور حکم جہاد صادر ہو چکا تھا جس کے تحت اس سے پہلے تین بڑی جنگیں لڑی جا چکی تھیں لیکن پیغمبر اکرمؐ جنگ بدر و احد و خندق میں جو مدینے میں رہتے ہوئے ہی لڑی گئی تھیں اپنے اصحاب کی حالت دیکھ چکے تھے جنہیں ہم تفصیل کے ساتھ سابقہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں۔لہذا اب جو پیغمبرؐ نے مسلمانوں کو جنگ کے مُصر دیکھا تو اس خیال سے کہیں یہ وقتی اور ہنگامی جوش و ولولہ نہ ہو اور وقت آنے پر پہلے کی طرح راہ فرار اختیار نہ کر جائیں۔انہیں ایک ببول کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں میدان سے راہ فرار اختیار نہ کریں گے اور پورے ثبات قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے جیسا کہ تاریخ طبری میں جابر ابن عبداللہ کے قول سے ثابت ہے کہ:

" بايعنا رسول الله علىٰ ان لا نفر "(تاریخ طبری جلد 2 ص 279)

جابر ابن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہؐ نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔

اگر چہ خداوند تعالیٰ سورہ انفال میں جس کا بیان سابق میں ہو چکا ہے یہ دستور العمل دے چکا تھا کہ:

"اے ایمان والو جب تمہارا کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ ہو تو ان کی طرف سے پیٹھ نہ پھیرنا اور اس شخص کے سوا جو لڑائی ہی کے لئے پینترا بدلے۔یا اپنی فوج کے کسی حصہ سے جا کر ملتا ہو جو شخص اس جنگ والے دن کفار کی طرف سے پیٹھ پھیرے گا وہ یقطعی

طور پر خدا کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے"۔

لیکن اصحاب پیغمبر نے نہ تو خدا کے غضب کی پرواہ کی اور نہ ہی جہنم سے ڈرے اور عین میدان جنگ میں راہ فرار اختیار کرتے رہے۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ نے ضروری سمجھا کہ اگر ان کے اشتعال کی وجہ سے لڑائی چھڑ گئی اور یہاں دشمن کے گھر آئے ہوئے انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی تو بہت ہی برا ہوگا لہذا پیغمبر اکرمؐ نے ان سے اس بات پر بیعت لی یعنی یہ عہد لیا کہ وہ جنگ سے فرار نہیں کریں گے۔ لیکن صلح کی وجہ سے یہاں پر جنگ کی نوبت نہ آئی۔

اس بیعت کی تکمیل کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان اور دوسرے مہاجرین کے قتل کئے جانے کی افواہ غلط تھی اور قبل اس کے کہ جنگ کی نوبت آئے وہ سب صحیح وسلامت واپس آ گئے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی ولولہ سرد پڑ گیا۔ ادھر مشرکین قریش بھی لڑائی کے حق میں نہیں تھے چنانچہ دونوں طرف سے صلح پر رضامندی کا اظہار ہونے کے بعد کفار کی طرف سے حویطب اور سہیل ابن عمرو کو۔ پیغمبرؐ کی طرف سے حضرت علیؑ کو صلح کی بات چیت کے لئے مقرر کیا گیا جیسا کہ مورخ شہیر طبری نے لکھا ہے کہ:

"ان قریشاً بعثوا سهيل ابن عمرو و حويطبا فولوهم صلحهم و بعث النبي علياعليه السلام في صلحة " (تاریخ طبری جلد 2 ص 278)

قریش نے سہیل ابن عمرو اور حویطب کو صلح کے اختیارات دے کر بھیجا اور آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو صلح کی گفتگو کے لئے منتخب فرمایا۔

اگرچہ تاریخ کے بیان سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ کفار ہی صلح کے لئے آمادہ ہو گئے اور آنحضرتؐ نے ان کے ارادہ صلح سے اتفاق کر لیا لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ:

"ولولا رجال مومنون و نساء مومنات لم تعلموهم ان تطئوهم

فتصيبكم منهم معرة بغير علم ليدخل الله في رحمته من يشاء لو تذيلوا لعذبنا الذين كفروا منهم عذابا اليما "   (سورۃ الفتح آیت نمبر 25)

اگر کچھ ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں مکہ کے اندر نہ ہوتیں جن سے تم واقف نہ تھے تو ان کو (لڑائی میں کفار کے ساتھ) پامال کر ڈالتے پس تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (لہذا ہم نے یہ صلح اس لئے کرائی تا کہ) خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ ایماندار لوگ کفار سے الگ ہو جاتے تو ان میں جو لوگ کافر تھے ہم انہیں دردناک عذاب کی سزا دیتے۔

اگر چہ سوہ فتح کی مذکورہ آیت سے یہ ثابت ہے کہ یہ صلح پیغمبر نے خدا کے حکم سے فرمائی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے صحابہ اتنے ناراض ہوئے کہ آنحضرت کی نبوت میں ہی شک کرنے لگ گئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے اپنے اس شک کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ:

" واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ "

(تاریخ الخمیس جلد 2 ص 32)

خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس دن کے سوا کبھی شک نہیں کیا

صحابہ کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرتؐ نے معاہدہ صلح کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ قربانیاں کرو اور سر کے بال منڈواؤ تو جو کچھ دیر پہلے بیعت کر کے آنحضرت کے حکم پر سر تسلیم خم کرنے کا عہد کر چکے تھے نافرمانی پر اتر آئے اور بار بار کہنے کے باوجود قربانی کرنے پر آمادہ نہ ہوئے نہ ہی سر منڈوانے کے لئے تیار ہوئے۔ مورخ شہیر ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

" واللہ ما قام منهم رجل حتی قال ذالک ثلاث مرات "

(تاریخ طبری جلد 2 ص 283)

یعنی خدا کی قسم آنحضرتؐ کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی بھی تعمیل کرنے کے لئے کھڑا نہ ہوا۔

جب آنحضرتؐ نے یہ صورت حال دیکھی تو کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور خود اپنی طرف سے قربانی کر کے اور سر منڈوا کر احرام کھول دیا جب صحابہ نے دیکھا کہ پیغمبر کے فیصلے میں تبدیلی نہیں آسکتی تو پھر کچھ لوگوں نے سر منڈوا لئے اور اکثر لوگوں نے صرف تھوڑے تھوڑے بال ترشوائے مگر ان کا غم وغصہ کسی طرح بھی کم نہ ہوا۔ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

" جعل بعضهم يحلق بعضاً حتى كاد بعضهم يقتل بعضهم غما"

تاریخ طبری جلد 2 ص 283

وہ آپس میں ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غم وغصہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

جب پیغمبرؐ نے سر منڈانے والوں کو دیکھا تو فرمایا کہ خدا ان سر منڈانے والوں پر رحم کرے صحابہ نے عرض کیا "یا رسول الله فلما ظاهرت الترحم للمحلقين دون المقصرين قال لانهم لم يشكوا" (تاریخ طبری جلد 2 ص 283)

یا رسول اللہ آپ نے سر منڈوانے والوں کے لئے دعائے رحمت کی اور تقصیر کرنے والوں کے لئے کچھ نہیں کہا۔ فرمایا اس لئے کہ انہوں نے میری نبوت میں شک نہیں کیا اس سے ثابت ہوا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نہ صرف حضرت عمر کو آنحضرتؐ کی نبوت میں شک ہو گیا تھا ان کے علاوہ حضرت عمر کا ساتھ دینے والے اور بھی بہت سے اصحاب تھے جو پیغمبر کی نبوت میں شک کر رہے تھے۔

جنگ حنین اور شہادت قرآن

علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ:

''شوال 8ھ مطابق جنوری وفروری 630ء اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین کی طرف بڑھیں (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے۔لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔

''و یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاو ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین'' (التوبہ)

اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

(سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول ص 504)

اس کے بعد علامہ شبلی لکھتے ہیں:

فتح کی بجائے وہلہ اول میں مطلع صاف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہ تھا ابوقتادہ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کاٹ کر اندر اتر گئی اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا اسی اثناء میں، میں نے حضرت عمر کو دیکھا پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔

سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص 504-505

علامہ شبلی نے وہلہ اول میں مسلمانوں کی شکست لکھی ہے لیکن علامہ سید سلیمان

ندوی نے سیرۃ النبی کے حاشیہ میں ص 505 پر اس بات سے اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

مصنف نے اول وہلہ میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کی ہے یہ ابن اسحٰق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے ۔لیکن حدیث صحیح کا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔دشمن کے تیراندازوں نے موقع پاکر تیراندازی شروع کردی جس سے مسلمانوں میں بے ترتیبی انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی ۔ بخاری میں حضرت براء کے الفاظ یہ ہیں:

''وانا لما حملنا علیهم انکشفوا فاکبینا علیٰ الغنائم فاستقبلنا بالسهام ''

اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہم کو تیروں پر دھر لیا ۔

(حاشیہ سیرت النبی ص 505 بحوالہ بخاری شریف)

مسلمان اس ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہ تھے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ ایک دوسرے کی خبر نہ رہی اور جدھر جس کا رخ ہوا ادھر نکل گیا صحیح بخاری نے ابو قتادہ کا بیان اس طرح نقل کیا ہے:

''انهزم المسلمون وانهزمت معهم فاذا العمر ابن الخطاب فی الناس فقلت ماذا شان الناس قال امر الله '' (صحیح بخاری جلد 3 ص 45)

یعنی مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ ہی بھاگ نکلا اچانک ان بھاگنے والے لوگوں میں عمر ابن الخطاب کو دیکھا تو میں نے کہا کہ کیا ہوگیا ہے لوگوں کو۔حضرت عمر نے کہا کہ اللہ کا امر یہی ہے ۔

لیکن علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں یہ لکھا ہے کہ:

''تیروں کا مینہ برس رہا تھا بارہ ہزار فوجیں ہوا ہوگئی تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا''۔ (سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول ص 510)

دوسرے مسلمان تو بھاگے تھے سو بھاگے تھے مگر تعجب اس امر پر ہے کہ روز صلح حدیبیہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے اور موت پر پیمان باندھنے والے اور نہ بھاگنے کا عہد کرنے والے بھی ثابت قدم نہ رہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارہ ہزار کا لشکر راہ فرار اختیار کر گیا۔ اور پیغمبر کے پاس ایک روایت کے مطابق صرف چار آدمی باقی رہ گئے ایک علی ابن ابی طالبؑ دوسرے عباس ابن عبدالمطلب تیسرے ابوسفیان بن حارث اور چوتھے عبداللہ ابن مسعود۔ اور دوسری روایت کے مطابق دس آدمی ثابت قدم رہے نمبر 1 علی ابن ابی طالبؑ، نمبر 2 عباس ابن عبدالمطلب، نمبر 3 فضل ابن عباس، نمبر 4 ابوسفیان بن حارث، نمبر 5 ربیعہ بن حارث، نمبر 6 عبداللہ ابن زبیر ابن عبدالمطلب، نمبر 7 عتبہ بن ابو لہب، نمبر 8 معتب ابن ابولہب، نمبر 9 ایمن ابن عبید، نمبر 10 خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پیغمبر اکرمؐ خچر پر سوار میدان میں کھڑے تھے عباس اور فضل آپ کے دائیں بائیں استادہ تھے۔ ابوسفیان بن حارث عقب سے زین پکڑے ہوئے تھے اور حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے سامنے تلوار سے دشمن کی یلغار روک رہے تھے اس وقت آنحضرتؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے جو آپ کے اطمینان قلب و سکون قلب کا ترجمان ہے:

" انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبدالمطلب "

میں نبی ہوں جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (صحیح مسلم غزوہ حنین)

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں پیغمبر کے مذکورہ الفاظ لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا۔

''یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرة ''اوگروہ انصاراواصحاب شجرہ (بیعت رضوان والوں)۔ سیرت النبی شبلی جلد اول ص 510

یا اصحاب الشجر ہ کے الفاظ کے ذریعہ آواز دلوانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ انہیں یہ بتلا رہے تھے کہ تم نے تو روز صلح حدیبیہ اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم جنگ سے فرار نہ کریں گے۔اب تم کو کیا ہو گیا ہے ۔اگر اس دن بھی جنگ کی نوبت آجاتی تو تم اس دن بھی یہی کرتے۔

جنگ تبوک اور شہادت قرآن

جنگ تبوک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ آخری جنگ ہے جو جنگ نہ ہونے کے باوجود جنگ کہلاتی ہے ۔اس کے اسباب میں اکثر محدثین ومورخین و سیرت نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ شام کے تاجروں کے ذریعہ یہ خبر ملی تھی کہ ہرقل بادشاہ روم مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کررہا ہے لہذا پیغمبر اس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے ۔جیسا کہ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ شام سے قبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے انہوں نے خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کردی ہیں ۔ اس فوج میں لخم ،حذام ،غسان کے تمام اہل عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک آگیا ہے۔مورہب لدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کولکھ بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال کیا۔اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مرر ہیں اس بناء پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

سیرۃ النبی جلد اول ص 533-534

اور ابن خلدون نے اس طرح لکھا ہے:-

اس غزوہ کے اصل محرک اصلی ہرقل بادشاہ قسطنطنیہ ہوا کیونکہ وہ آپ کی پیہم کامیابیوں کو سن کر بقصد حملہ تیاری کرنے میں مصروف ہوگیا تھا رفتہ رفتہ اس کی خبر آپؐ کو بھی ہوئی تو آپؐ نے ماہ رجب 9 ھ میں رومیوں کے خلاف جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دے دیا۔ تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص 176

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ:

"تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی" سیرۃ النبی جلد اول ص 536

یہاں پر یہ سوال انتہائی طور پر قابل غور ہے کہ کیا واقعاً یہ خبر غلط تھی کہ ہرقل بادشاہ روم حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ خبر غلط تھی تو پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات تو رہی ایک طرف جنہیں بنی امیہ کے زیر اثر حدیثیں، تاریخیں اور سیرت کی کتابیں لکھنے والوں اور اصحاب پیغمبر کا دفاع کرنے والوں نے ایک عام آدمی سے بھی گرا ہوا بنا دیا ہے اور اس سے صرف شام کے تاجروں کی پہنچائی ہوئی خبر ہی جھوٹی ثابت نہیں ہوئی بلکہ اس صورت میں تو خدا و جبرئیل و وحی و قرآن سب ہی جھوٹے بن جاتے ہیں (نعوذ باللہ)۔ کیونکہ اس غلط خبر پر عمل کرنے میں اور جنگ کی تیاریوں کے سلسلہ میں صرف پیغمبرؐ ہی نہیں بلکہ خدا و جبرئیل و وحی و قرآن سب کے سب ملوث نظر آتے ہیں اور سورۃ توبہ کی آیت نمبر 38 سے لے کر آیت نمبر 183 تک تقریباً 145 آیات جنگ تبوک کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ترغیب و تحریص و ترہیب و تعزیر و نفرین کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

چونکہ اس وقت گرمی کی شدت تھی قحط کی پریشانی، مسافت کی دوری، اپنی قلت، دشمن کی کثرت اور خرمہ کی تیاری کا وقت تھا۔ لہذا لوگ جانے میں تامل کر رہے تھے۔ طرح طرح کے عذر طراشے جا رہے تھے اور خدا کی طرف سے جنگ کے لئے نکلنے کے سلسلہ میں

تیاری کرنے کے بارے میں آیات کے نزول کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔اب اگر یہ کہا جائے کہ پیغمبرؐ کوغیب کا علم نہیں تھا۔لہذا شام کے تاجروں کی غلط خبر پر اعتبار کرلیا اور جنگ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے ۔تو خدا تو یقیناً عالم الغیب ہے خدا نے اس جنگ کی تیاری کے سلسلہ میں جتنی آیات نازل کیں اتنی کسی بھی جنگ کے بارمیں نازل نہیں کیں ۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا نے واضح طور پر اس جنگ کے لئے جانے کوان الفاظ کے ساتھ حکم دیا: ۔

"یا ایھا الذین آمنوا مالکم اذ قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیاۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل" التوبہ۔38

اے ایمان لانے والوں تم کو کیا ہو گیا ہے۔جس وقت تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین پر بوجھل ہوجاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابل زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے حالانکہ زندگانی دنیا کا سرمایہ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے اور بالکل ہیچ ہے۔

اور اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔

"الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیما" (التوبہ۔ 39)

"اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا"۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنے سخت احکامات دیتے وقت کیا خدا کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ خبر غلط ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔یقیناً خدا کو علم تھا کہ یہ خبر بالکل صحیح ہے اور خدا کو یہ بھی علم تھا کہ وہاں جنگ بھی نہیں ہوگی ۔اور جب اس سلسلہ میں وحی کا نزول جاری تھا تو یقیناً پیغمبر کو بھی بذریعہ وحی یہ علم تھا کہ وہاں جنگ بھی نہیں ہوگی ۔اور جب اس سلسلہ میں وحی کا نزول جاری تھا اور وحی نازل ہورہی تھی جو قرآن میں محفوظ ہے تو یقیناً پیغمبر کو

بھی بذریعہ وحی یہ علم تھا کہ یہ خبر بھی صحیح ہے اور یہ جنگ بھی نہیں ہوگی ۔چونکہ اس جنگ کے ذریعہ مستقبل کے لئے بہت سے سبق اور بہت سی ہدایتیں دینی مطلوب تھیں ۔اور اس جنگ کے ساتھ بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں وابستہ تھیں لہذا خدا نے پیغمبرؐ کو بھی بذریعہ وحی ان حکمتوں اور مصلحتوں سے آگاہ کردیا تھا۔اور بعض سیرۃ اور تفسیر کی کتابوں سے ہمیں اس بات کی تصدیق بھی ہوجاتی ہے کہ رومیوں کا حملہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن وہ اسلام کے لشکر کی روانگی کی خبر سن کر متفرق ہوگئے اور حملہ کا ارادہ ترک کردیا۔جیسا کہ تفسیر منشور جاوید قرآن میں لکھا ہے کہ:

"دشمن از حرکت سپاہ اسلام آگاہ شدہ و از مقابلہ بالشکر فدا کار و ایثار گرد خودداری کرد و بنحوی متفرق شدہ وانمود کرد کہ اصلاً نقشہ در کارہ نبودہ است"

منشور جاوید قرآن جلد 4 ص 109

یعنی جب دشمن کو لشکر اسلام کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو اس نے اسلام کے فدا کار وایثار گر لشکر سے مقابلہ کا ارادہ ترک کردیا۔اور کسی نہ کسی طرح سے وہاں سے چلتا بنا اور یہ ظاہر کیا کہ جیسا کہ اس کا اس قسم کا کوئی ارادہ یا پروگرام نہیں تھا۔

پس بعض محدثین اور سیرت نگاروں کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ خبر غلط تھی ۔اور توہین پیغمبر کے ساتھ علم خدا پر بھی واضح اعتراض ہے۔

جنگ تبوک میں شرکت کے لئے پیغمبر اکرمؐ نے تمام لوگوں کو دعوت دی تھی ۔لیکن منافقین طرح طرح کے حیلے بہانوں سے اس جنگ میں شرکت نہ کرنے کے لئے پہلو تہی کررہے تھے لہذا وہ مختلف حیلے بہانوں کے ذریعہ پیچھے مدینہ میں ہی رہ گئے ۔اور اس جنگ میں شریک نہ ہوئے ۔قرآن ان کے شریک نہ ہونے کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالاً و لا اوضعوا خلاللکم یبغونکم الفتنة" (التوبہ۔40)

(یعنی اے پیغمبر اچھا ہوا جو منافقین تمہارے ساتھ نہ گئے) اگر وہ (اس جنگ کے لئے) تمہارے ساتھ نکلتے تو سوائے خرابی ڈالنے کے اور کچھ اضافہ نہ کرتے اور فتنہ فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے لئے تمہارے اندر گھوڑے دوڑاتے پھرتے۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ کوئی بھی منافق اس وقت جنگ میں پیغمبرؐ کے ساتھ نہ گیا اور خدا اور قرآن سے زیادہ اور کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔

اس جنگ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ جب بھی مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو کسی نہ کسی کو ضرور مدینہ میں منتظم و نگران بنا کر گئے لیکن اس دفعہ اس ہستی کو پیچھے چھوڑ کر گئے جو بدر و احد و خندق و خیبر و حنین کا فاتح تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ جنگ نہیں ہوگی۔ لہذا اس فاتح جرنیل کو ساتھ نہ لے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دوسرے چونکہ تمام منافقین پیچھے مدینہ میں ہی رہ گئے تھے لہذا ان سے نمٹنے کے لئے بھی علیؑ جیسے بہادر جرنیل کی ہی ضرورت تھی۔ لیکن ہر دفعہ کی نسبت اس دفعہ اتنا فرق تھا کہ پہلے جب بھی کسی کو مدینہ کو نگران بنا کر گئے وہ محض وقتی طور پر نگران ہوتا تھا۔ مگر اس آخری موقع پر جب علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تو ان کے بارے میں یہ فرما گئے کہ علیؑ پیغمبر کے صرف وقتی طور پر قائم مقام نہیں ہیں بلکہ حضرت موسیٰؑ کے نائب حضرت ہارون کی طرح آپ کے بعد بھی آپ کے جانشین ہیں جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

"اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی" صحیح بخاری جلد 3 ص 54

یعنی اے علیؑ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت و منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس حدیث کے ذریعہ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو مثل ہارون قرار دے کر یہ ظاہر کر دیا کہ کہ جس طرح حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ و جانشین و وزیر تھے اسی طرح حضرت علیؑ میرے خلیفہ و جانشین و وزیر ہیں اور ان تمام مدارج پر فائز ہیں جن مدارج پر ہارون فائز تھے اور چونکہ ہارون نبی بھی تھے اس لئے لا نبی لابعدی کہہ کر صرف نبوت کا استثنا کیا اور لفظ بعدی کہہ کر یہ ثابت کر دیا کہ علی کی ہارون والی منزلت میری زندگی کے بعد بھی ہے کیونکہ اگر یہ نیابت وقتی ہوتی تو لا نبی بعدی کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

حدیث منزلت کے تناظر میں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ تبوک سے واپسی پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا پروگرام کس نے بنایا؟ اور کیوں بنایا جبکہ منافقین پیچھے مدینہ میں ہی رہ گئے تھے۔ کہیں یہ حضرت علیؑ کے بارے میں مذکورہ حدیث سننے کے بعد دنیا کے طلبگاروں کی طرف سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش تو نہیں تھی؟ آج لوگ حدیث منزلت کا چاہے جو مطلب لیتے رہیں مگر اصحاب پیغمبر اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ چنانچہ قرآن ان کے ارادہ سے پردہ اٹھاتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ انہوں نے جو ارادہ کیا تھا اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ:

"وھموا بما لم ینالوا و ما نقموا الا ان اغنھم اللہ و رسولہ من فضلہ" (التوبہ۔74)

اور جس بات کا انہوں نے ارادہ کیا تھا اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے اور نہیں برائی کی انہوں نے مگر اس کے بدلے میں کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مالدار بنا دیا تھا۔

اس آیت میں یہ بات واضح طور پر بیان کی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال غنیمت دے دے کر مالدار بنا دیا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے:

''۔ف 2۔غزوہ تبوک سے واپسی میں آنحضرتؐ لشکر سے علیحدہ ہوکر ایک پہاڑی راستے کو تشریف لے جا رہے تھے تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرادیں۔حضور کے ساتھ حذیفہؓ اور عمارؓ تھے۔عمارؓ کو انہوں نے گھیر لیا تھا۔مگر حذیفہ نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیئے۔چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے۔حذیفہ وغیرہ نے ان کو نہیں پہچانا۔بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے حذیفہ اور عمار رضی اللہ عنھما کو نام بنام ان کے پتے بتادیئے مگر منع فرمایا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں اسی واقعہ کی طرف ''و ھموا بما لم ینالوا '' میں اشارہ ہے جو ناپاک قصد انہوں نے کیا خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔

تفسیر عثمانی علامہ شبیر احمد عثمانی ص 457

اگر چہ حذیفہؓ نے لوگوں کے بار بار پوچھنے کے باوجود ان کے نام نہیں بتلائے اور پیغمبر کے اس راز کو افشاء نہیں کیا لیکن خدا نے قرآن میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ منافقین میں سے اس جنگ میں کوئی ساتھ نہیں گیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے واضح طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پوچھنے پر یہ بتلایا کہ وہ تیری قوم کے آدمی تھے جیسا کہ بخاری میں آیا ہے۔

''عن ابن شهاب قال حدثني عروه ان عائشه رضي الله عنها زوج النبي صلي الله عليه وسلم حدثته انها قالت لبني صلي الله عليه وسلم هل اتي عليک يوم کان اشد من احد ؟ قال لقد لقيت من قومک مالقيت و

كان اشد ما لقيت منهم يوم العقبة " صحیح بخاری طبع بیروت لبنان جلد چہارم کتاب بداء الخلق بابت اذ قال احد کم ص138

ابن شہاب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عروہ نے بیان کہا کہ ان سے زوجہ پیغمبرؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ کسی دن تکلیف دیکھی ہے؟ تو نبی پاکؐ نے فرمایا کہ میں نے تیری قوم سے نا قابل بیان تکلیف دیکھی ہے اور سب زیادہ تکلیف میں نے روز عقبہ پائی ہے۔

اس حدیث شریف سے جو بخاری شریف میں درج ہے اور حضرت عائشہ سے مروی ہے واضح طور پر ثابت ہے کہ پیغمبر کو عقبہ کے مقام پر قتل کرنے کا منصوبہ بنانے والے جس میں قرآن کی سند کی رو سے کامیاب نہ ہو سکے حضرت عائشہ کی قوم سے تھے۔

جن تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے ان سب نے یہی لکھا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حذیفہ کو ان کے نام بتلائے تھے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوئے تھے۔ لیکن پیغمبرؐ نے انہیں تاکید کر دی تھی کہ وہ ان کے نام کسی کو نہ بتلائیں ان کے ناموں کے نہ بتلانے میں کیا مصلحت تھی یہ بات تو خود پیغمبرؐ ہی بہتر جانتے تھے۔ لیکن اچھی طرح غور کرنے سے جو اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی میں ان کے نام بتلانے سے اسلام کو کچھ خطرہ ہوگا اور پیغمبرؐ کے بعد بتلانے سے خود حذیفہ کے لئے یہ بات نقصان دہ ہوگی۔ جو اس بات سے ثابت ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد حذیفہ نے بعض لوگوں کے بار بار پوچھنے اور انتہائی اصرار کے باوجود اپنی زندگی میں ان کے نام نہیں بتلائے۔ لیکن جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو ایک انصاری کے پوچھنے پر ان کو وہ نام بتلا دیئے۔ جو سیرت کی بعض کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اور ہم نے پڑھے ہیں لیکن ہم بھی

مصلحتاً انہیں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

پیغمبر نے کن مصلحتوں سے ابو حذیفہ کو ان کے نام بتلانے سے منع کیا اس میں سے ایک مصلحت کا اندازہ تفسیر منشور جاوید قرآن سے ہوتا ہے جو اس کے مفسر نے تاریخ بغداد، اسد الغابہ اور الاستیعاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ گھاٹی کے واقعہ کے بعد صبح کے وقت اسید ابن حضیر پیغمبر کے پاس آئے اور کہا کہ صحرا کے درمیان سے چلنا گھاٹی کے راستے سفر کرنے سے بہت آسان ہے آپ نے اس راستہ کو کیوں اختیار کیا۔ پیغمبر اکرم نے انہیں گذشتہ رات کی واردات سنائی تو انہوں نے پیغمبرؐ سے درخواست کی کہ آپ ان کے نام بتلایئے تاکہ ان کے اپنے قبیلہ والے ان کو قتل کر ڈالیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا اس میں مصلحت نہیں ہے۔ اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں جس وقت محمدؐ کو قدرت و طاقت حاصل ہو گئی تو انہوں نے اپنے اصحاب کو قتل کر دیا''

تفسیر منشور جاوید قران جلد 4 ص 120۔ بحوالہ تاریخ بغداد جلد 1 ص 161

اسد الغابہ جلد 1 ص 291۔ الاستیعاب جلد 1 ص 277

ایسا ہی ایک واقعہ جنگ بنی مصطلق سے لوٹتے ہوئے پیش آیا جب عبداللہ ابن ابی نے پیغمبر اکرمؐ کی شان کے خلاف توہین آمیز تقریر کی اور سورہ منافقین میں اس بارے میں آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر نے پیغمبرؐ سے عرض کی کہ مسلمانوں کے سر سے عبداللہ ابن ابی کے شر کو ٹالنے کے لئے اسے کسی انصاری آدمی سے قتل کرا دیا جائے۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے ان کی اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور فرمایا۔ اس موقع پر پروپیگنڈہ کرنے والے پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرا دیتے تھے۔ تاریخ الخمیس جلد 1 ص 47

سیرت حلبی جلد 2 ص 302

ایسے ہی اور بھی مواقع پیش آئے لیکن پیغمبر اکرمؐ نے لوگوں کی ایسی تجویز سے

اتفاق نہیں کیا اور ہمیشہ مصلحت کو پیش نظر رکھا ہے ۔

حرف آخر

اصحاب پیغمبر سب کے سب ایک ہی مرتبہ میں نہیں تھے ان کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

نمبر 1: وہ اصحاب پیغمبر جن کو خدا نے اصطفیٰ کیا ہے، جن کو خدا نے اختیار کیا، جن کا خدا نے اجتبیٰ کیا اور جن کو واضح الفاظ میں فرمایا:۔

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا "

اور وہ خدا کے مصطفیٰ ،خدا کے اختیار کردہ، خدا کے مجتبیٰ اور خدا کے طاہر و مطاہر یعنی خدا کے معصوم و پاک و پاکیزہ بندے تھے اور وہ اہل بیت پیغمبر علیہ السلام ہیں ان کی شان کو گھٹانا ان کے شرف ان کی عفت اور ان کی عصمت کے خلاف کوئی بات کرنا ان اصحاب پیغمبر کی توہین کرنا ان کی عظمت کے سراسر خلاف اور گناہ ہے ۔

نمبر 2: دوسرے نمبر پر تذکار صحابیات کے مصنف کے قول کے مطابق صحابیات میں ازواج پیغمبر کا نام آتا ہے ۔ازواج پیغمبر سب امت کی مائیں ہیں تمام مسلمانوں پر ان کا ماؤں کی طرح احترام کرنا لازم ہے ۔اور امت میں سے کوئی شخص ازواج پیغمبر میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔اور مسلمانوں پر ان کے ساتھ نکاح کرنا اسی طرح حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے ۔لیکن امت میں سے کوئی مسلمان ازواج پیغمبر کو معصوم نہیں مانتا ۔انہیں خداوند تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا کیونکہ تمام ازواج پیغمبر ساری کی ساری از روئے عمل ایک جیسی نہیں تھیں ۔

نمبر3:   پیغمبرؐ کے ساتھ وہ اصحاب بھی تھے جن کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے:

" و من الناس من یقول آمنا باللہ و بالیوم الآخر و ماھم بمومنین یخدعون اللہ والذین آمنوا ما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون "

(البقرہ۔پ 1ع2)

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے یہ اللہ کو اور مومنین کو دھوکا دے رہے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ خود اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہیں ۔

آگے چل کر خدا ان کا حال اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنا و اذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزئن "   (پ1ع2۔البقرۃ)

اور جب وہ مسلمانوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان (مسلمانوں) سے ہنسی کرتے ہیں ۔ٹھٹھا کرتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں ۔

اصحاب پیغمبر میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے بارے میں خداوند تعالیٰ اپنے نبی کو یہ خبر دے رہا ہے کہ:

"الم ترا الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما نزل الیک و ماانزل من قبلک یریدون ان ینحاکموا الی الطاغوب و قد امروا ان یکفروا بہ و یرید الشیطان ان یضلھم ضلالاً بعیداً "

(اے میرے حبیب) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

وہ اس پر جو تم پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور جو تم سے پہلے نازل ہوا ہے اس پر بھی ایمان لائے ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنا قضیہ اور مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کا انکار کریں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور لے جائیں۔

اس آیت میں کسی منافق کا ذکر نہیں بلکہ یہ ان کا حال ہے جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور سابقہ تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنا مقدمہ اور قضیہ رسول اللہ کے پاس نہ لے جائیں بلکہ طاغوت کے پاس لے جائیں بہر حال یہ طاغوت کسے کہا ہر صورت میں رسول اللہ سے اپنا قضیہ فیصل کرانے کی بجائے کسی غیر کی طرف اپنے فیصلہ کے لئے رجوع کیا اور اب یہ جھگڑا کیا تھا کس کس کے درمیان تھا چونکہ اس میں اختلاف ہے۔اس لئے ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔لیکن روایات سے جو پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ جھگڑا ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان تھا یہودی چاہتا تھا کہ اس کا فیصلہ رسول اللہ کریں لیکن یہ مسلمان چاہتا تھا کہ اس کا فیصلہ یہودی قاضی کرے تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔البتہ سورہ منافقون میں،منافقین کا کھلے الفاظ میں بیان ہوا جہاں ارشاد ہوا ہے کہ:-

”اذا جائک المنافقون قالو نشهدک انک لرسول الله۔ والله یعلم انک لرسوله و الله یشهد ان المنافقین لکذبون“

جب یہ منافق تیرے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً بلا شک و شبہ ضرور ضرور تم خدا کے رسول ہو (یہ بات تو) خدا جانتا ہے تم یقیناً بلا شبہ اللہ کے رسول ہو اور اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنے مذکورہ بیان میں جھوٹے ہیں۔

اس آیت میں منافقین کا یہ بیان نقل ہوا ہے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم گواہی دیتے

ہیں یقیناً بلاشک وشبہ ضرور ضرور تم خدا کے رسول ہو۔اور جس نے اپنے رسول کو مبعوث برسالت کیا اسے تو اس بات کا علم تھا ہی کہ میں نے اپنے حبیبؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن وہ علیم بذات الصدور بھی ہے وہ ہر کسی کے دل کی بات سے آگاہ ہے لہذا اس نے یہ گواہی دی کہ یہ لوگ جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہے۔منافقین کے بارے میں تو خدا کا دوٹوک فیصلہ ہے کہ:

"ان المنافقين فی الدرک الاسفل من النار"

بیشک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

لیکن منافقین کو چھوڑ کر باقی مسلمانوں کو منافقین کے زمرے میں نہیں لایا جاسکتا مثلاً جنگ بدر میں جب تک نام نہاد منافقین کا کوئی وجود ہی نہ تھا جب خدا نے مسلمانوں پر کفار کے ساتھ جنگ کرنا اور قتال واجب کر دیا تو بہت سے مسلمانوں کو یہ بات پسند نہ آئی جس کی تفصیل جنگ بدر کے بیان میں ہوچکی اور جس کا ذکر خدا نے سورۃ البقرۃ کی آیت 216 میں کیا ہے۔

اور سورہ محمد کی آیت نمبر 4 میں کہا گیا ہے کہ جب حکم قتال نازل ہوا تو بہت سے اصحاب کی حالت یہ ہوگئی جیسا کہ ان پر موت کی غشی طاری ہو۔اور سورہ الانفال میں انہیں یہ دستور العمل دیا گیا کہ جب تمہاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو تو ثابت قدم رہنا جم کر لڑنا اور راہ فرار اختیار نہ کرنا جیسا کہ سورہ انفال کی آیت نمبر 15-16 میں بیان ہوا اور سورہ الانفال کی آیت نمبر 5 تا 7 میں یہ کہا گیا ہے کہ جب بعض مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر کفار سے لڑنے کے لئے جارہے ہیں تو ان مسلمانوں نے اس کو پسند نہ کیا اور انہیں ایسا لگا جیسا کہ موت کے منہ میں دھکیلے جارہے ہیں اور بعض کو جب یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر کفار قریش سے جنگ کے لئے مدینہ سے نکلے ہیں تو وہ خود پیغمبر ہی سے لڑنے اور جھگڑنے لگ گئے بہر حال

مسلمانوں کی حالت جنگ بدر کے بیان میں تفصیل کے ساتھ بیان کی جا چکی ہے۔

اس کے علاوہ جنگ احد، جنگ خندق، صلح حدیبیہ، جنگ حنین اور جنگ تبوک کے حالات تفصیل کے ساتھ سابق میں بیان ہو چکے ان کو یہاں پر دہرانے کی ضرورت نہیں ہے انہیں پھر پڑھ لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اکثر مسلمانوں کا کیا حال تھا جو سب کے سب اصحاب پیغمبر تھے لہذا اصحاب پیغمبر میں سے صرف وہی قابل تعریف ہے جس نے وہ قابل تعریف کام کیا ہے جس کا قرآن نے حدیث نے اور تاریخ کی کتابوں نے بیان کیا ہے جس نے وہ کام کیا جس کی قرآن نے، حدیث نے اور تاریخ کی کتابوں نے مذمت کی ہے تو وہ کسی تعریف کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

وما علینا الا البلاغ